

تفسير احمد

سُورَةُ الْفَاتِحَةِ

Ketabton.com

جزء - 1

سوره «الفاتحة» کا تفسیر و ترجمہ

تصنيف: امين الدين « سعیدی - سعيد افغانی »

بسم الله الرحمن الرحيم

سورة فاتحہ

جزء (1)

سورة فاتحہ سات (7) آیات پر مشتمل ہے ، یہ مکی سورت ہے جو سورة مدثر کے بعد نازل ہوئی ہے۔

وجه تسمیہ :

چونکہ «فاتحہ» کا معنی کسی بھی چیز کا آغاز ہے، اس لیے اس سورة کو بھی «فاتحۃ الكتاب» کہا جاتا ہے۔ مفسرین کے مطابق، چونکہ یہ قرآن عظیم الشان کی پہلی سورت ہے، اس لیے اسے «فاتحۃ الكتاب» کہا گیا، یعنی قرآن کا آغاز اسی سورت سے ہوا ہے۔ مشہور مفسر ابن حبیب اور ان کے پیروکار ابن النقیب نے روایت کیا ہے کہ سورة فاتحہ (80000) اسی ہزار فرشتوں کی معیت میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوئی۔

کاتبین وحی، جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے قرآن کو لکھا اور اسے مصحف کی شکل دی، انہوں نے اس سورت کو قرآن مجید کی پہلی سورت کے طور پر شامل کیا، اگرچہ ترتیب نزول میں یہ پہلی نازل ہونے والی سورت نہیں ہے، لیکن قرآن عظیم الشان کی تلاوت کا آغاز اسی سورت سے کیا گیا۔

سورة فاتحہ کے نزول کا وقت :

سورة فاتحہ کا نزول نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے ابتدائی دنوں میں ہوا۔ مستند روایات سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ پہلی مکمل سورت تھی جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوئی، اس سورت کے نزول سے پہلے صرف سورہ علق، مزمل، مدثر وغیرہ میں سے متفرق آیات نازل ہوئی تھیں۔ (تفہیم القرآن)

سورة فاتحہ کی تمہید :

اس مبارک سورت نے مگہ شریف میں شرف نزول پایا، علماء امت کے اتفاق کے مطابق یہ سات آیات پر مشتمل ہے۔ چونکہ ترتیب (نہ کہ نزول) کے لحاظ سے کتاب اللہ کا آغاز اسی سورت سے کیا گیا ہے، اس لیے اسے «فاتحہ» یعنی «آغاز» کہا جاتا ہے، اور یہ سورت اجمالی طور پر قرآن کے اہداف اور مقاصد کو شامل ہے، اس مختصر سورت میں قرآن کریم کے معانی اور مقاصد کا خلاصہ بیان کیا گیا ہے، یہ دین کے اصول و فروع کا احاطہ کرتی ہے، اور عقیدہ، عبادت، قیامت کے دن پر ایمان، اللہ کی صفات پر ایمان کی بات کرتی ہے، یہ واضح کرتی ہے کہ عبادت اور مدد صرف اللہ ہی سے مانگی جاتی ہے، اور صرف اسی کی بارگاہ سے ہدایت اور حق کی راہ کی دعا مانگی جا سکتی ہے، اور صرف اسی کے سامنے اپنے ایمان کو مضبوط کرنے اور صالحین کے راستے پر چلنے اور گمراہوں کے راستے سے بچنے کی التجا کی جاسکتی ہے۔

یہ سورت پچھلی قوموں کے حالات پر بھی روشنی ڈالتی ہے اور نیک بخت و بدبخت لوگوں کے مراتب کا ذکر کرتی ہے، یہ سورت اللہ کے احکام کی پیروی کرنے اور

برائیوں اور دیگر برے اغراض و مقاصد سے بچنے کا درس دیتی ہے، اسی وجہ سے اس کو قرآن کی دوسری سورتوں پر فوقیت حاصل ہے، اور اسے «ام الكتاب» (کتاب کی ماں) کہا گیا ہے، کیونکہ اس میں قرآن کے تمام مضامین کا اجمالی خاکہ ذکر کیا گیا ہے۔

سورہ فاتحہ کے نام :

اس سورہ کا نام اس کے موضوع کی مناسبت سے «الفاتحہ» رکھا گیا ہے، «فاتحہ» اُس چیز کو کہتے ہیں جس کے ذریعے کسی کتاب یا کسی چیز کا آغاز ہو، یہ نام دراصل «دبیاچہ» اور «پیش لفظ» کے ہم معنی ہے۔ (تفہیم القرآن)۔

سورہ فاتحہ کے مندرجہ ذیل نام ہیں :

1 - ام القرآن

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «مَنْ صَلَّى صَلَاةً لَمْ يَقْرَأْ فِيهَا بِأَمْرِ الْقُرْآنِ فَهِيَ خِدَاجٌ غَيْرُ تَمَامٍ» (مسلم) «جو شخص نماز پڑھے اور اس میں اُم القرآن (فاتحہ) نہ پڑھے، اس کی نماز نامکمل ہے، نامکمل ہے، نامکمل ہے»، (مسلم)۔ اس حدیث میں «ام القرآن» سے مراد سورہ فاتحہ ہے۔

2 - ام الكتاب

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سورہ فاتحہ کو «ام الكتاب» اس لیے کہا جاتا ہے؛ کیونکہ قرآن کا آغاز اسی سے ہوتا ہے، اور یہ پہلی سورت ہے جس سے نماز کا آغاز ہوتا ہے۔

3 - السبع المثانی

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: «وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنَ الْعَظِيمَ» (الحجر: 87) اور (اے محمد) بے شک ہم نے تمہیں سات آیات بار بار پڑھی جانے والی اور عظیم قرآن دیا» (الحجر: 87)۔ یہاں «السبع المثانی» سے مراد سورہ فاتحہ ہے جو سات آیات پر مشتمل ہے۔

4 - القرآن العظيم

سورہ حجر کی آیت "۸۷" اس نام کی دلیل ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث میں مذکورہ ۳ نام بیان کیے ہیں: "الحمد لله رب العالمين، ام القرآن، ام الكتاب، السبع المثاني، اور القرآن العظيم" (بخاری)۔

5 - فاتحة الكتاب

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ» (متفق علیہ)۔ "اس شخص کی نماز درست نہیں جس نے اس میں فاتحہ الكتاب نہ پڑھی ہو" (متفق علیہ)۔ "فاتحہ الكتاب" وہی قرآن کریم کا ابتدا اور آغاز ہے، چونکہ نماز پڑھتے ہوئے اسی سے شروع کرتے ہیں؛ اس لیے اسے "فاتحہ الكتاب" کہا جاتا ہے۔

6 - الصلاة

صحیح مسلم میں حدیث قدسی ہے جو عبدالرحمن کے بیٹے حرفہ کے غلام سے منقول ہے اس نے اپنے والد سے اور اس کے والد نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "قَسَمْتُ الصَّلَاةَ بَيْنِي وَبَيْنَ عَبْدِ نَصْفَيْنِ، فَإِذَا قَالَ: الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ (قال الله: حمدني عبدى، وإذا قال: "الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ"، قال الله: أثني على عبدى، فإذا قال: "مَالِكِ يَوْمَ الدِّينِ"، قال الله: مَجَّدَنِي عبدى، وقال مرة: فوض إلى عبدى، فإذا قال: "إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ"، قال: هذا بينى وبين عبدى، ولعبدى ما سأل، فإذا قال: "اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ * صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ"، قال الله: هذا العبدى، ولعبدى ما سأل". (مسلم ۳۹۵، ۲۹۶/۱)۔ ترجمہ: "میں نے نماز کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان دو حصوں میں تقسیم کیا ہے، جب بندہ کہتا ہے: "الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ" تو اللہ فرماتا ہے: میرے بندے نے میری تعریف کی، اور جب وہ کہتا ہے: "الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ" تو اللہ فرماتا ہے: میرے بندے نے میری ثنا کی اور میری تعظیم کی" ایک مرتبہ فرمایا: میرے بندے نے اپنے تمام معاملات میرے حوالے کر دیے، اور جب بندہ کہتا ہے: "إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ" تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: یہ (راز اور عہد) میرے اور میرے بندے کے درمیان ہے، جو کچھ میرا بندہ چاہتا ہے اس کے لیے وہ تیار ہے اور اسے وہ فراہم ہوگا، اور جب بندہ کہتا ہے: "اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ * صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ"، خدا تعالیٰ فرماتا ہے: یہ میرے بندے کا ہے، جو کچھ میرا بندہ چاہتا ہے اسے دیا جائے گا۔ (مسلم 395)۔ اس حدیث میں سورہ فاتحہ کو نماز کہا گیا ہے، کیونکہ یہ نماز کا اہم جز ہے، اس کے بغیر نماز ناقص ہے۔

اس مذکورہ حدیث میں جس طرح سورہ فاتحہ میں مذکورہ باتیں واضح کی گئی ہیں ان سے یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ کیوں مسلمان ہر روز سورہ فاتحہ کو سترہ مرتبہ نماز میں دہراتے ہیں، یا جب بھی کوئی مسلمان نماز میں کھڑے ہو کر اللہ سے مدد مانگتا ہے، اور اس سے سرگوشی کرتا ہے، جتنا اللہ تعالیٰ کو منظور ہو اس سورت کو دوہرا تا رہے۔

7 - الحمد

«الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ» [الفاتحة: 2]۔ تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

8 - الرقية

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو سعید خدریؓ سے فرمایا: "وَمَا يُدْرِيكَ أَتَهَارِقِيَّةٌ" "تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ یہ سورہ فاتحہ، پناہ اور دعا ہے۔"

9 - اساس القرآن

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے اس سورہ کو "اساس القرآن" کا نام دیا، اور کہا کہ: یہ قرآن کی بنیاد ہے۔

10 - الواقیہ

حضرت سفیان بن عیینہ رضی اللہ عنہ نے اس سورہ کو "الواقیہ" کا نام دیا، جس کا معنی حفاظت اور محافظت کرنے کے ہیں، اور خود کو خدا کے سپرد کرنے کا معنی بھی دیتا ہے۔

11 - الکافیہ

تابعین میں سے فقیہ و محدث یحییٰ بن صالح بن المتوکل الطائی (متوفی سال 129 ہجری)، جو یحییٰ بن ابی کثیر کے نام سے معروف ہے نے اس سورہ کو "الکافیہ" کا نام دیا، "الکافیہ" کفی سے ہے جس کا معنی بس، کافی اور کفایت کرنے والا ہے۔
امام قرطبی نے اس سورت کے (۱۲) بارہ نام ذکر کیے ہیں، ان میں سے مشہور و معروف نام «فاتحۃ الكتاب»، «أم الكتاب»، «السبع المثاني»، «الحمد»، «الصلاة»، و «الواقیہ» ہیں۔ (قرآن کی تفسیر کیسے کریں، شیخ جمیل زینو)۔

سورہ فاتحہ کے ذریعے کیے گئے رقیہ کے فضائل :

1 - ابن قیم الجوزیہ رحمہ اللہ (691ھ 751ھ - 1292م / 1350م-م) (الجواب الکافی) کے صفحہ 3 میں فرماتے ہیں: "سورہ فاتحہ کے ذریعے علاج میں خاص تاثیر ہے، یہاں تک کہ اس سورت سے دم کرنے کے بعد مریض کو محسوس ہوتا ہے کہ گویا کوئی تکلیف تھی ہی نہیں، یہ انتہائی آسان ترین علاج ہے، اگر انسان سورہ فاتحہ سے علاج کرنا چاہتا ہے، اور اس کام کے دوران انسان کی نیت سچی اور خالص ہو، تو دیکھے گا یہ عمل کتنا فائدہ مند اور اچھا ہے۔ میں نے ایک عرصہ مکہ میں گزارا جب مجھے کوئی مرض ہوتا اور علاج میسر نہ ہوتا تو میں خود کو سورہ فاتحہ کے ذریعے دم کر لیتا اور اس میں حیران کن فوائد دیکھے، اس لیے میں بیماروں کے علاج معالجے میں مشہور ہوتا گیا، جو بیمار ہوتا وہ میرے پاس آتا، اور میں اپنا بھی سورہ فاتحہ سے علاج کرتا اور اس کا بھی، تو بیمار افراد فوراً ٹھیک ہو جاتے" (الجواب الکافی ص: ۳)۔

2 - یہاں ایک قابل غور نکتہ ہے، اور وہ یہ ہے کہ: جو دعائیں، ذکر و اذکار اور آیتیں بیماریوں کے علاج کے لیے ہیں، ان میں اگرچہ بہ ذات خود تاثیر اور فائدہ ہے، لیکن بیماریوں کے علاج میں اس کی تاثیر مشروط ہے معالج کے ایمان کی مضبوطی اور تقویٰ کے ساتھ، اگر کسی شخص کا ایمان کمزور اور تقویٰ کم ہے، وہ جتنے بھی یہ اذکار اور دعائیں پڑھ لے شاید مرض کے علاج میں کوئی اثر نہ کرے، لیکن اگر کوئی مؤمن و متقی شخص دم کرے تو فوراً اثر کر کے مرض کو ختم کر دیتا ہے، یا ممکن ہے پڑھنے والے بندے میں کوئی مسئلہ نہ ہو، بلکہ بیمار شخص میں کوئی بیرونی عوامل ہوں جو دعاؤں کے عدم تاثیر کا باعث بنتے ہوں، مثلاً جو نشے کا عادی ہو، بعض اوقات بیمار آدمی جتنا بھی دارو دوا استعمال کرتا ہے اس کی بیماری اور درد میں کوئی فائدہ نہیں کرتا تو یہ دوائی کے خراب ہونے کی وجہ

سے نہیں ہے، بلکہ ممکن ہے کہ اس شخص کے جسم میں کوئی ایسا بیکٹیریا ہو، جس کی وجہ سے دوا کا جسم میں اثر نہ ہو اور جسم دوا جذب نہ کرسکے، انسان کا دل بھی ایسا ہی ہے، اگر دل ان دعاؤں اور اذکار کو بخوبی قبول کرے اور ان کے اثر کرنے کا معتقد ہو، تو تب وہ دعائیں اپنا اثر دکھاتی ہیں، کیونکہ انسان کا دل انہیں قبول کرتا ہے اور پھر یہ دعائیں بیماری صحیح ہونے کا باعث بنتی ہیں۔

سورہ فاتحہ کا موضوع

یہ سورہ ایک دعا ہے جو کہ اللہ تعالیٰ نے ہر اس انسان کو سکھائی ہے جو اس کتاب کی تلاوت کرنا شروع کردے، کتاب کی ابتداء میں اسے رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم واقعی اس کتاب سے مستفید ہونا چاہتے ہو تو پہلے خدا تعالیٰ سے یہ دعائیں گویا فطری طور پر انسان اپنی دعا میں وہی چیز مانگتا ہے جو اس کا دل چاہتا ہے، اور اس وقت دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتا ہے جب اس کو یقین ہو کہ اس کا مقصود و مطلوب اس ذات کے اختیار میں ہے جس سے وہ مانگ رہا ہے۔

لہذا قرآن کریم کے آغاز میں اس دعا کو سکھانے کا مطلب لوگوں کو یہ یاد دلانا ہے کہ اس کتاب کو صحیح راستے کی تلاش کے مقصد اور حق کے ایک سچے متلاشی کے ذہنیت کے ساتھ پڑھیں اور جان لیں کہ علم کا سرچشمہ پروردگار عالم ہے، اس لیے صرف خدا سے ہدایت اور رہنمائی کی التجا کرے اور اس کتاب کو پڑھنا شروع کر دے۔

سورہ فاتحہ کی آیات، الفاظ اور حروف کی تعداد

سورہ فاتحہ کی آیات کی تعداد جیسے ہم نے پہلے ذکر کیا سات (۷) ہے، پچیس (۲۵) الفاظ اور ایک سو تیس (۱۲۳) حروف ہیں۔

سورہ فاتحہ کے خاص فضائل و خصوصیات

سورہ فاتحہ قرآن کریم میں سورہ فاتحہ خاص فضائل اور خصوصیات پر مشتمل ہے:

- 1 - قرآن کا آغاز اسی سے ہوتا ہے۔
 - 2 - نماز کی ابتدا اسی سے ہوتی ہے۔
 - 3 - نزول کے اعتبار سے یہ پہلی سورت ہے جو دوسری سورتوں سے پہلے مکمل نازل ہوئی، البتہ سورہ علق، مدثر، مزمل کی چند آیات اس سے پہلے نازل ہوئی تھیں، لیکن پہلی مکمل سورت جو نبی کریم ﷺ پر نازل ہوئی وہ سورہ فاتحہ تھی، بعض صحابہ کرام سے جو روایت ہوئی ہے (اول ما نزل سورہ حمد ہے) وہ یہ ہے کہ یہ سورت تمام سورتوں پر مقدم ہے اس سے پہلے کوئی سورت مکمل طور پر نازل نہیں ہوئی، اس وجہ سے سورہ حمد کو (فاتحۃ الكتاب) کہا گیا ہے۔
 - 4 - اس میں پورے قرآن کے مضامین کا خلاصہ ہے، گویا قرآن کریم پورے کا پورا اس کی تشریح اور وضاحت ہے، اس لیے قرآن کے تمام مقاصد صرف ایمان اور عمل پر منحصر ہیں، جن کے بنیادی اصول اس سورت میں بیان کیے گئے ہیں۔
- سورہ فاتحہ قرآن کریم کے معانی، اور دین کے اصول و فروع پر مشتمل ہے، اس میں عقیدہ، عبادت اور شریعت کے اصول شامل ہیں یہ رب العالمین سے ہدایت طلب کرنے کی طرف رہنمائی کرنے اور منحرف لوگوں کے راستے سے دور رہنے کی دعا ہے۔

سورہ فاتحہ کے فضائل احادیث میں

سورہ فاتحہ کی فضیلت متعدد احادیث میں ذکر ہوئی ہے، ذیل میں ان میں سے چند کے

بیان پر اکتفا کریں گے:

حضرت ابو سعید المعلى رضی اللہ عنہ سے حدیث مبارکہ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لَا عَلِمْتُكَ أَعْظَمَ سُورَةٍ فِي الْقُرْآنِ - أَوْ مِنَ الْقُرْآنِ - قَبْلَ أَنْ تَخْرُجَ مِنَ الْمَسْجِدِ"، قَالَ: فَأَخَذَ يَدَيَّ، فَلَمَّا أَرَادَ أَنْ يَخْرُجَ مِنَ الْمَسْجِدِ، قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنَّكَ قُلْتَ: لَا عَلِمْتُكَ أَعْظَمَ سُورَةٍ فِي الْقُرْآنِ؟ قَالَ: "نَعَمْ، الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ هِيَ السَّبْعُ الْمَثَانِي، وَالْقُرْآنُ الْعَظِيمُ الَّذِي أُوتِيَتْهُ" (صحیح بخاری شمارہ (4474) و مسند احمد شمارہ (17851)). اس سے پہلے کہ مسجد سے نکل جاؤ! قرآن کریم میں (یا قرآن سے) سب سے عظیم سورت تجھے سکھا دوں گا، ابو سعید خدریؓ نے کہا: پھر نبی کریم ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑا، اور جب آپ مسجد سے باہر نکلنا چاہتے تھے، میں نے کہا اے اللہ کے رسول! کیا آپ نے نہیں فرمایا تھا کہ قرآن کریم کی سب سے عظیم سورت تجھے سکھا دوں گا؟ آپ نے فرمایا: جی ہاں! "یقیناً میں تمہیں قرآن کی عظیم ترین سورت سکھاؤں گا اور وہ ہے "الحمد لله رب العالمين"، "السبع المثاني" سات آیتیں جو ہر رکعت میں بار بار پڑھی جاتی ہیں، اور عظیم قرآن ہے جو مجھے عطا کیا گیا ہے۔"

اسی طرح ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس سورت کی فضیلت کے بارے میں روایت ہے کہ: "بَيْنَمَا رَسُولُ اللَّهِ وَعِنْدَهُ جَبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ إِذْ سَمِعَ نَقِيضًا فَوْقَهُ، فَرَفَعَ جَبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ بَصَرَهُ إِلَى السَّمَاءِ، فَقَالَ: "هَذَا بَابٌ قَدْ فُتِحَ مِنَ السَّمَاءِ مَا فُتِحَ قَطُّ، قَالَ: فَنَزَلَ مِنْهُ مَلَكٌ فَأَتَى النَّبِيَّ ج فَقَالَ: أَبَشِّرْ بِبُورِينَ أُوتِيَتْهُمَا لَمْ يُؤْتِيَهُمَا نَبِيٌّ قَبْلَكَ: فَاتِحَةُ الْكِتَابِ وَخَوَاتِيمُ سُورَةِ الْبَقَرَةِ لَمْ تَقْرَأْ حَرْفًا مِنْهُمَا إِلَّا أُعْطِيَتْهُ" (صحیح مسلم شمارہ (254) و سنن نسائی شمارہ (912)) ایک مرتبہ جبریل علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے تو اچانک ان کو اوپر سے آواز سنائی دی، تو جبریل علیہ السلام نے آسمان کی طرف دیکھا اور کہا: یہ آسمان کا ایک دروازہ کھلا ہے جو اس سے پہلے کبھی نہیں کھلا تھا، راوی مزید فرماتے ہیں: پھر اس میں سے ایک فرشتہ آپ کے پاس آیا اور کہا: مبارک ہو! آپ کو دو نور دیے گئے ہیں جو کسی نبی کو آپ سے پہلے نہیں دیے گئے، ایک سورہ فاتحہ اور دوسرا سورہ بقرہ کی آخری آیات ہیں، ان میں سے جو بھی آیت تلاوت کرو گے وہی دیے جاو گے۔"

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ فاتحہ کی عظمت بیان کرتے ہوئے ایک حدیث قدسی میں فرمایا: "قَالَ اللَّهُ تَعَالَى: قَسَمْتُ الصَّلَاةَ بَيْنِي وَبَيْنَ عَبْدِي نَضْفَيْنِ، وَلِعَبْدِي مَا سَأَلَ، فَإِذَا قَالَ الْعَبْدُ: "الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ"، قَالَ اللَّهُ تَعَالَى: حَمْدُنِي عَبْدِي، وَإِذَا قَالَ: "الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ"، قَالَ اللَّهُ تَعَالَى: أَثْنَى عَلَى عَبْدِي، وَإِذَا قَالَ: "مَلِكِ يَوْمِ الدِّينِ"، قَالَ: حَمْدُنِي عَبْدِي - وَقَالَ مَرَّةً فَوْضَ إِلَيَّ عَبْدِي - فَإِذَا قَالَ: "إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ" قَالَ: هَذَا بَيْنِي وَبَيْنَ عَبْدِي، وَلِعَبْدِي مَا سَأَلَ، فَإِذَا قَالَ: "إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ" قَالَ: هَذَا لِعَبْدِي وَلِعَبْدِي مَا سَأَلَ" (صحیح مسلم شمارہ حدیث (395)). اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں نے نماز کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان دو حصوں میں تقسیم کیا ہے، جب بندہ کہتا ہے: "الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ"، تو اللہ فرماتا

ہے: میرے بندے نے میری تعریف کی۔ جب بندہ کہتا ہے: "الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ"، تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میرے بندے نے میری ثنا کی۔ جب وہ کہتا ہے: "مَلِكُ يَوْمِ الدِّينِ"، تو اللہ فرماتا ہے: میرے بندے نے میری عظمت بیان کی۔ جب بندہ کہتا ہے: "إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ"، تو اللہ فرماتا ہے: یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان ہے اور میرے بندے کو وہی ملے گا جو اس نے مانگا۔ جب بندہ کہتا ہے: "اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ"، تو اللہ فرماتا ہے: یہ میرے بندے کے لیے ہے اور اس کو وہی دیا جائے گا جو اس نے مانگا۔ (صحیح مسلم)

سورہ فاتحہ کے تربیتی اسباق

سورہ فاتحہ میں درج ذیل اہم تربیتی اسباق شامل ہیں:

- 1 - "انسان سورہ الحمد کی تلاوت میں "بسم اللہ" پڑھ کر غیر اللہ سے امید ختم کر دیتا ہے۔
- 2 - "رب العالمین" اور "مالک يوم الدين" سے بندہ یہ جانتا ہے کہ وہ اللہ کا بندہ اور اس کا مملوک ہے۔
- 3 - لفظ "رب العالمین" سے خود اور کائنات کے درمیان تعلق جوڑ دیتا ہے۔
- 4 - "الرحمن الرحيم" کے ذریعے خود کو اللہ کی رحمت کے سائے میں لے آتا۔
- 5 - "مالک يوم الدين" سے قیامت کی یاد دہانی ہوتی ہے۔
- 6 - "ایاک نعبد" سے خود پسندی اور شہرت طلبی ختم ہوتی ہے۔
- 7 - "ایاک نستعین" سے غیر اللہ سے مدد طلبی کا خیال ختم ہوتا ہے۔
- 8 - "انعمت علیہم" سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ نعمتیں اللہ کے ہاتھ میں ہیں، حسد کی بجائے اللہ کی تقسیم پر راضی رہنا چاہیے۔
- 9 - "اهدنا الصراط المستقیم" سیدھے راستے پر چلنے کی ہدایت مانگتا ہے۔
- 10 - "صراط الذین انعمت علیہم" خدا کے راستے کے پیروکاروں کے ساتھ اپنی یکجہتی کا اعلان کرتا ہے۔
- 11 - اور آخر میں "غیر المغضوب علیہم ولا الضالین" سے باطل اور اہل باطل سے دوری اختیار کرتا ہے۔

سورہ فاتحہ کا مختصر پیغام

سورہ فاتحہ قرآن کی وہ عظیم سورت ہے، جس سے کتاب اللہ کی ابتدا ہوتی ہے، یہ سورت چند چیزوں پر توجہ مرکوز کرتی ہے:

- 1 - اللہ تعالیٰ کی تعریف اور تمجید جس پر سورت کا نصف اول مشتمل ہے۔
- 2 - اللہ تعالیٰ کی خالص عبادت اور اس سے مدد مانگنا۔
- 3 - ہدایت کی حقیقت اور ہدایت سے محروم گروہوں کا بیان۔

4 - جو شخص دن رات سترہ (۱۷) مرتبہ سورہ فاتحہ پڑھتا اور سنتاہے، وہ کفار کے ساتھ مشابہت سے دوسرے لوگوں کے بنسبت زیادہ دور ہونے کا مستحق ہے، کیونکہ کسی مؤمن مرد یا عورت کے لیے یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ ان آیات کو پڑھے اور پھر اپنا موازنہ ان لوگوں سے کرے جن کے راستے سے اللہ کی پناہ مانگی گئی ہے، "اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ" [الفاتحہ: 6-7]۔ یعنی: "ہم کو سیدھے رستے پر چلا، ان لوگوں کے رستے جن پر تو اپنا فضل و کرم کرتا رہا نہ اُن کے جن پر غصے ہوتا رہا او نہ گمراہوں کے"۔

سورہ فاتحہ میں دعا کے طریقے کی تعلیم

سورہ فاتحہ خدا تعالیٰ کی تعریف اور حمد سے شروع کی گئی ہے، اور پھر حمد کی خصوصیت میں تسلیم کیا گیا ہے کہ یہ صرف اسی اللہ کے لیے لائق اور زیبا ہے، کوئی اور اس عبادت کے لائق نہیں ہے، گویا کہ انسان اپنے اور اپنے خالق کے درمیان وفاداری اور عہد کا انعقاد چاہتا ہے، اس مبارک سورت میں سب سے اہم نکتہ وہی دعا ہے جو تمام مقاصد انسانی پر حاوی ہے، اور اس میں بہت سے فائدے اور دیگر ضمنی مسائل ہیں، جن میں سب سے اہم دعا کرنے کا طریقہ سکھانا ہے، چنانچہ سورہ فاتحہ میں انسان کو سکھایا گیا ہے کہ: جب بھی وہ اپنے پروردگار کے دربار سے دعا مانگنا چاہے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کرے، پھر اپنے عہد کی وفاداری کی تجدید کرے کہ اس کے سوا کوئی بندگی کے لائق نہیں، اور غیر اللہ کو ہرگز مشکل کشا اور حاجت روا نہ سمجھے۔ تو اس وقت اپنی حاجت کے لیے پروردگار کے سامنے دست دراز کرے، جو دعا اس طریقے سے مانگی جاتی ہے یقیناً وہ قبول ہو جاتی ہے۔ (احکام القرآن جصاص)۔

دعا کرتے وقت ایسی دعا کا انتخاب کرے جو مختصر، اور انسان کے تمام مقاصد کو شامل ہو، جیسے سیدھے راستے کی طرف ہدایت کی دعا، کیونکہ اگر دین و دنیا کے معاملات میں اس کا راستہ درست ہو تو کسی قسم کے نقصان کا خطرہ نہیں رہتا، ایک بار پھر! یہاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے بندوں کو حمد و ثناء کا درس دینا مقصود ہے۔ (معارف القرآن)۔

فرشتوں کی معیت میں قرآن کا نزول

مشہور مفسر جلال الدین عبدالرحمن سیوطی (911-749ھ، ق) ابن حبیب اور ابن النقیب سے نقل کرتے ہیں: قرآن کے کچھ حصے فرشتوں کے ساتھ نازل ہوئے۔ ان حصوں سے مراد ہے: سورہ انعام جس کی معیت میں (۷۰) ستر ہزار فرشتے اترے، اور سورہ فاتحہ کے ساتھ 80 ہزار فرشتے نازل ہوئے، آیۃ الکرسی اور سورہ یاسین کے ساتھ (۳۰) تیس ہزار فرشتے اترے، اور سورۃ الزخرف کے آیت: "وَاسْأَلْ مَنْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُسُلِنَا أَجَعَلْنَا مِنْ دُونِ الرَّحْمَنِ إِلَهًا يُعْبَدُونَ" (45) کے ساتھ (۲۰) بیس ہزار فرشتے تشریف لائے، جبکہ بقیہ قرآن اکیلے جبریل لیکر آئے، ان کے ساتھ دیگر فرشتے نہیں تھے۔

- "قال ابن حبیب وتبعه ابن النقیب من القرآن ما نزل مشیعا وهو سورۃ الأنعام شیعا سبعون ألف ملك وفاتحة الكتاب نزلت ومعها ثمانون ألف ملك وآیۃ الکرسی نزلت ومعها ثلاثون ألف ملك وسورۃ یس نزلت

ومعها ثلاثون ألف ملك * (واسأل من أرسلنا من قبلك من رسلنا) * نزلت ومعها عشرون ألف ملك وسائر القرآن نزل به جبريل مفردا بلا تشييع.

قلت أما سورة الأنعام فقد تقدم حديثها بطرقه ومن طرقه أيضا ما أخرجه البيهقي في الشعب والطبراني بسند ضعيف عن أنس مرفوعا نزلت سورة الأنعام ومعها موكب من الملائكة يسد ما بين الخافقين لهم زجل بالتقديس والتسبيح والأرض ترج.

وأخرج الحاكم والبيهقي من حديث جابر قال لما نزلت سورة الأنعام سبى رسول الله صلى الله عليه وسلم ثم قال شيع هذه السورة من الملائكة ما سد الأفق قال الحاكم صحيح على شرط مسلم لكن قال الذهبي فيه انقطاع وأظنه موضوعا. وأما الفاتحة وسورة يس و * (واسأل من أرسلنا) * فلم أقف على حديث فيها بذلك ولا أثر. وأما آية الكرسي فقد ورد فيها وفي جميع آيات البقرة حديث أخرجه أحمد في مسنده عن معقل بن يسار أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال البقرة سنام القرآن وذوته نزل مع كل آية منها ثمانون ملكا واستخرجت * (الله لا إله إلا هو الحي القيوم) * من تحت العرش فوصلت بها.

ترجمہ و تفسیر سورہ فاتحہ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

«اللہ کے نام سے جو بہت مہربان، نہایت رحم والا ہے»

استعاذہ:

«أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ» ترجمہ: «میں اللہ کی پناہ میں آتا ہوں، شیطان مردود (شر) سے»۔

استعاذہ کا مطلب ہے: میں اللہ کی پناہ میں آتا ہوں، اور اس کی پناہ لیتا ہوں، اور خود کو اللہ کے حوالے کرتا ہوں؛ وہ معبود حقیقی کہ اس کے سوا میں کسی کی عبادت نہیں کرتا، اپنے تمام امور کو اس کے سپرد کرتا ہوں اس شیطان کے شر سے جو رجیم یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مطرود اور دور ہے، چاہے وہ شیطان جن ہو یا انسان، کہ مجھے کسی قسم کا نقصان نہ پہنچے اور دین میں خلل نہ آئے، یا وہ مجھے خدا کے حکم کی تعمیل کرنے سے روکے اور اس راستے کی طرف لے جائے جو میرے خدا اور مالک کو پسند نہ ہو۔

جب ہم "أَعُوذُ" کہتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہم اپنے قلب اور جسم کو اپنے شر سے اور ہر اس چیز کے شر سے جو اللہ نے پیدا کی ہے سے نجات دلا کر رہیں گے، اور ہمیں جان لینا چاہیے کہ ہمیں شیاطین انسان ہو یا جن ان کے شر کو دور کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے اور بس۔

غیر اللہ سے استعاذہ اور پناہ طلب کرنا شرک ہے

جس کی پناہ لی جاتی ہے وہ صرف اللہ ہے، استعاذہ ایک ایسی قلبی عبادت ہے جو صرف اللہ کے لیے مخصوص ہے۔ جو شخص اللہ کے سوا کسی اور سے پناہ مانگے،

وہ شرک کا مرتکب ہوتا ہے کیونکہ صرف اللہ ہی ہے جو شرکے مقابلے میں انسان کی حفاظت کرتا ہے، خیر پہنچا کر شر کو روکتا ہے، جیسا کہ اللہ فرماتا ہے: "وَإِنْ يَمْسَسْكَ اللَّهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ وَإِنْ يَمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ" (الأنعام: 17) "اگر اللہ تمہیں نقصان پہنچائے تو اس کے سوا کوئی اسے دور نہیں کر سکتا، اور اگر وہ آپ کو بھلائی عطا کرے تو وہ ہر چیز پر قادر ہے۔"

قرآن کریم کی تلاوت سے استعاذہ کی مناسبت یہ ہے کہ جب بھی کوئی آدمی قرآن کریم کی تلاوت کرنے لگتا ہے، تو شیطان اس کو آیات میں تدبر کرنے سے روکنے اور اس کی توجہ ہٹانے اور اسے وسوسہ میں مبتلا کرنے کی کوشش کرتا ہے، اور اس کی سوچ اور فکر کو مشغول رکھنے کے لیے اس کے پہلو میں (بلکہ اس کے اندر) آکر بیٹھ جاتا ہے، چونکہ یہ تمام اعمال و امثال شیطان کے فتنوں میں شمار ہوتے ہیں، ضروری ہے کی ان سے اللہ کی پناہ لی جائے۔

اللہ کی پناہ لینے کے اوقات اور مقامات اور اس عمل کی فضیلت

1 - تلاوت قرآن سے پہلے:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ" [النحل: 98]۔ "پس جب قرآن پڑھنے کا ارادہ کرو تو اللہ کی پناہ مانگو شیطان مردود سے۔" یعنی: تلاوت کے آغاز میں پڑھنا چاہیئے: "أعوذ بالله من الشيطان الرجيم"۔

2 - نماز میں سورہ فاتحہ سے پہلے:

رسول اللہ ﷺ تہجد (رات) کی نماز میں پڑھتے تھے: "أَعُوذُ بِاللَّهِ السَّبِيحِ الْعَلِيمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ، مِنْ هَمَزَةٍ وَنَفْخَةٍ وَنَفْثَةٍ" (احمد و غیرہ) "میں پناہ مانگتا ہوں اللہ کی (جو) سننے والا جاننے والا ہے شیطان مردود سے، اس کی دیوانگی سے، اس کے تکبر اور اس کے وسوسوں سے۔" یا فرماتے: "أعوذ بالله من الشيطان الرجيم"۔

3 - غصے کی حالت میں:

سلیمان بن صدر سے روایت ہے کہ: (دو آدمی رسول اللہ ﷺ کے سامنے لڑنے اور جھگڑا کرنے لگے، ہم بھی حضور اکرم ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، وہ ایک دوسرے کو گالم گلوچ کرنے لگے، نبی کریم ﷺ اتنے غصے ہو گئے کہ آپ کا چہرہ مبارک لال گلابی ہو گیا، آپ نے فرمایا: میں ایک ایسی چیز جانتا ہوں اگر غصہ والا شخص اسے کہے تو اس غصے سے نجات پالے گا اور پرسکون ہو جائے گا، وہ ہے: أعوذ بالله من الشيطان الرجيم۔

4 - بیت الخلاء میں داخل ہونے سے پہلے:

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ: رسول اللہ ﷺ جب بھی بیت الخلا جانا چاہتے تو فرمایا کرتے تھے: "اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْخُبْثِ وَالْخَبَائِثِ"۔ ترجمہ: اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں ناپاک جنوں اور ناپاک جنیوں سے۔

کتے اور گدھے کی آواز سننے پر:

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: "إِذَا سَمِعْتُمْ نَبَاحَ الْكَلْبِ وَنَهْيَ الْحَمِيرِ بِاللَّيْلِ، فَتَعَوَّذُوا بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ فَإِنَّهُمْ يَرِينَ مَا لَا تَرُونَ" (احمد و غیرہ)۔

ترجمہ: "جب رات میں کتے یا گدھے کی آواز سنو تو شیطان مردود کے شر سے اللہ کی پناہ مانگو، کیونکہ یہ اس چیز کو دیکھتے ہیں جسے تم نہیں دیکھتے۔"

5 - وہم اور خوف کی حالت میں:

رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام کو سکھاتے تھے کہ اس موقع پر یہ پڑھیں: "أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللَّهِ الثَّامَّةِ مِنْ غَضَبِهِ وَعِقَابِهِ وَشَرِّ عِبَادِهِ وَمِنْ هَمْزَاتِ الشَّيَاطِينِ وَأَنْ يَحْضُرُونِ" (ابوداؤد، ترمذی)۔

ترجمہ: "میں پناہ مانگتا ہوں اللہ کی کامل اور جامع کلموں کے ذریعے اللہ کے غضب، اس کے عذاب اور بندوں کے شروفساد اور شیاطین کے وسوسوں سے اور اس بات سے کہ وہ ہمارے پاس آئے۔"

6 - بیمار کو دم کرتے وقت:

رسول اللہ ﷺ حسن اور حسین کو اپنی گود میں لے کر دم کرتے اور فرماتے: «أَعِيذُكُمَا بِكَلِمَاتِ اللَّهِ الثَّامَّةِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَهَامَّةٍ وَمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَامَةٍ» (بخاری)۔ "میں تم دونوں کو اللہ تعالیٰ کے مکمل کلمات کی پناہ میں دیتا ہوں ہر شیطان اور زہریلے جانور سے اور ہر لگ جانے والی نظر سے۔"

7 - مسجد میں داخل ہوتے وقت:

رسول اللہ ﷺ جب مسجد میں داخل ہوتے تو فرماتے: "أَعُوذُ بِاللَّهِ الْعَظِيمِ وَبِوَجْهِهِ الْكَرِيمِ وَسُلْطَانِهِ الْقَدِيمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ" (ابوداؤد) "میں شیطان مردود سے عظمت والے اللہ کی، اس کی معزز ذات کی، اور اس کی قدیم غلبہ اور قوت کی پناہ مانگتا ہوں۔"

اس کے بعد پیغمبر ﷺ نے فرمایا: (جب بھی انسان یہ پڑھتا ہے تو شیطان خود سے کہتا ہے: یہ اللہ کا بندہ میرے ہاتھ سے نکل گیا، آج کے دن کی لمبائی جتنا مجھ سے دور ہو گیا) ابوداؤد۔

8 - شیطان جب نماز میں وسوسہ ڈالے۔

9 - جب رات آجائے

10 - مسلمان جب کسی جگہ بیٹھنے یا سونے کے لیے جائے۔

11 - جب شیطان مسلمان کے دل میں جھوٹے شکوک و شبہات ڈالے۔

12 - صبح و شام کے اذکار کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی پناہ لینا۔

استعاذہ یعنی پناہ لینے کی اقسام:

1 - ایک ایسی استعاذہ جو انتہائی عاجزی اور تواضع کے ساتھ ہو، اور یہ یقین رکھے کہ جس ذات کی وہ پناہ لیتا ہے وہ ہر چیز پر قادر ہے، اور ہر قسم کے شر اور برائی سے اسے پناہ دے سکتا ہے، استعاذہ کی یہ قسم صرف اللہ کے لیے مخصوص ہے، غیر اللہ کی طرف نسبت کرنا شرک اکبر ہے۔

2 - ایسی استعاذہ جس کا مقصد تقرب الی اللہ اور اجر و ثواب ہو، کہ بندہ تمام عبادتوں کی طرح اللہ تعالیٰ سے اجر و ثواب کی امید رکھتا ہو، یہ استعاذہ بھی صرف اللہ ہی کے لیے ہے، کیونکہ اللہ کے لیے کسی کام کا انجام دینا اور بات کرنا خود عبادت ہے، اور عبادت کو غیر اللہ کی طرف پھیرنا بڑا شرک ہے۔

3 - مرنے والے اور غائب لوگوں سے استعاذہ کرنا بھی شرک اکبر ہے، کیونکہ وہ لوگ پناہ نہیں دے سکتے، اور جو شخص ان کی پناہ لیتا ہے درحقیقت وہ ان کو عالم الغیب سمجھتا ہے، اور یقین رکھتا ہے کہ ان کے پاس غیبی قوت ہے جس کے ذریعے وہ اس کی پکار کو سنتا ہے اور اس کو اپنی پناہ میں رکھتا ہے۔

4 - زندہ لوگوں سے استعاذہ ان امور میں جن کا اختیار اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کے پاس نہ ہو، جیسے: ائمہ اور اولیاء کی پناہ لینا اس چیز میں جس سے وہ ڈرتا ہے، یہ استعاذہ بھی شرک ہے، کیونکہ جن امور کی انجام دہی پر اللہ کے علاوہ کوئی اور قادر نہ ہو تو ایسے امور کی نسبت غیر اللہ کی طرف کرنا بڑا شرک ہے۔

زندہ مخلوق سے استعاذہ جن چیزوں میں وہ قدرت اور قوت رکھتا ہو، جیسے کسی دشمن یا درندہ جانور کے شر سے استعاذہ طلب کرنا ایسے آدمی سے جو اس کو دفع کر کے اس کی حفاظت کر سکتا ہے، اس قسم کا استعاذہ اور پناہ طلب کرنا جائز ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

لفظ «شیطان» کا معنی:

علما کہتے ہیں کہ: "شیطان" کا لفظ "شَطَن" سے نکلا ہے، جس کا مطلب ہے دوری، کیونکہ عربی زبان میں شیطان کا اطلاق ہر اُس چیز پر ہوتا ہے جو نیکی سے دور ہو، اور اس سے ہر وہ چیز مراد ہے جو اپنے ہم جنس سے بہت زیادہ مختلف ہو، اس لیے ابلیس کو شیطان کہا گیا، جب مطلق طور پر شیطان کہا جائے تو اس میں ابلیس بھی شامل ہوتا ہے، اگرچہ شیطان کا اطلاق شیاطین انس و جن پر ہوتا ہے، کیونکہ دونوں ہی خیر سے دور ہیں۔

معتبر عالم فیومی "المصباح المنیر" میں لکھتے ہیں: لفظ شیطان کے بارے میں دو قول ہیں: پہلا قول یہ ہے کہ یہ مشتق ہے "شَطَن" سے، اس کا معنی: حق یا اللہ کی رحمت سے دور ہونا ہے، یہاں نون زائد نہیں، بلکہ کلمہ کا جزء ہے، اور شیطان کا وزن (فَعِیَال) ہوگا، جو ہر سرکش اور متکبر چاہے انسانوں میں سے ہو، یا جنات اور جانوروں میں سے سب کو شامل ہے، جیسے عرب سرکش گھوڑے کو شیطان کہتے ہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ: پہلے قول کے برعکس نون زائدہ ہے اور ی کلمہ کا جزء ہے، یعنی شیطان (شَاطِط) سے مشتق ہے، جس کا معنی ہے: باطل ہو یا آگ لگ گئی، ہر وزن (فَعْلَان)۔

اسی طرح صحیح مسلم میں ہے کہ ابوذرؓ نبی کریم ﷺ روایت کرتے ہیں کہ: "سیاہ کتا شیطان ہے" (صحیح مسلم، کتاب الصلاة، باب قدر مایستر المصلی (510)۔

نیز منقول ہے کہ پیغمبر ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا کہ کبوتر کا پیچھا کر رہا تھا، آپؐ نے فرمایا: "ایک شیطان ہے شیطان کے پیچھے" ابوداؤد نے اس حدیث کو بہ روایت ابوہریرہؓ اپنی جامع، کتاب الادب، باب فی اللعب بالحمام (4940) میں نقل کیا ہے۔

ابن وہبؒ ایک حدیث صحیح سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ: حضرت عمرؓ کے لیے پرڈونی (پُرڈُون: ایک سیاہ ترکی گھوڑا جو دبلا اور عظیم الجثہ ہے، تاج العروس، مادہ (برذن) لایا گیا، حضرت عمرؓ اس پر سوار ہوئے تو دیکھا کہ وہ بہت تکبر اور اکڑ سے چلتا ہے، چاہا کہ اسے اس طرح چلنے سے روکے، لیکن گھوڑا اپنی چال چلتا رہا، تو عمرؓ اس سے اتر گئے اور کہا: "مجھے تم لوگوں نے شیطان پر سوار کرایا؟" (تفسیر طبری: 109/1 تفسیر ابن کثیر: 115/1، ابن کثیر نے اس کی سند کو صحیح کیا ہے)۔ لہذا؛ شیطان ہر اس مخلوق کو کہتے ہیں جو خیر اور بھلائی سے دور یا اپنے ہم جنس افراد سے الگ اور مختلف ہو۔

یہ لفظ کا عمومی معنی تھا، تاہم ایک خاص معنی میں اس اصطلاح سے مراد ہر ایسی مخلوق ہے جو خیر و بھلائی سے دور اور شر اور شرارت سے متصف ہو، جیسا کہ شیطان اس کی ذریت اور شیطان کی پیروی کرنے والے یا وہ لوگ جو خود شیطان بن جاتے ہیں، یعنی شیطانی صفات اپنالیتے ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ شیطان کے وسوسوں سے خدا کی پناہ مانگو: "وَأِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ إِنَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ" ۲۰۰ [الأعراف: ۲۰۰]۔ ترجمہ: "اگر کبھی شیطان تمہیں اکسائے تو اللہ کی پناہ مانگو، وہ سب کچھ سننے والا اور جاننے والا ہے۔"

«رجیم»

شیطان کو «رجیم» کہا جاتا ہے جس کا مطلب مرجوم ہے یعنی "سنگسار کیا گیا"، صیغہ فعیل بہ معنی مفعول آیا ہے۔

عربی زبان میں رجم کا معنی ہے مرجوم پر کوئی چیز پھینکنا یا مارنا، اب یہ پھینکنا اور مارنا یا تو زبانی ہوگا یا عملی، اس کے اور بھی معنی ہیں جیسے: رجم: بمعنی قتل کرنا یا رجم بالغیب یعنی گمان، شک اور بغیر دلیل اور ثبوت کے بات کرنا (المصباح المنیر، مادہ (رجم)۔

قرآن کریم نے اس لفظ کے یہ تمام معانی بتائے ہیں، مثلاً کہتا ہے: "لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَأَرْجُمَنَّكَ" (مریم: ۴۶)۔ ترجمہ: "اگر تو باز نہ آئے گا تو میں تجھے سنگسار کر دوں گا"

اور قرآن کریم میں بھی ہے: "رَجُمًا بِالْغَيْبِ" (الکہف: ۲۲) یعنی: اندازے سے بات کرنا جو کہ بات کرنے کی ایک قسم ہے۔

تو پھر (الشیطان الرجیم) یعنی سنگسار کیا گیا اور خیر و بھلائی سے دور (رجیم) بہ معنی (مرجوم)۔

وضاحت:

یاد رہے کہ: "أعوذ بالله من الشيطان الرجيم" آیت نہیں ہے، بلکہ سنت نبوی سے ثابت دعا ہے، ابن مسعودؓ سے منقول ہے کہ جب بھی نبی کریم ﷺ نماز پڑھتے تو سورہ فاتحہ کی تلاوت سے پہلے "أعوذ بالله من الشيطان الرجيم" پڑھتے تھے، جمہور علماء کی رائے اس سورت کے شروع میں استعاذہ پڑھنے کی اسی جملہ کی وجہ سے ہے جو کہ آیت: "فاذا

قرأت القرآن فاستعذ بالله من الشيطان الرجيم" (نحل: ۹۸) سے مطابقت رکھتا ہے۔

درج ذیل آیات میں بھی لفظ "أعوذ" آیا ہے، (مؤمنون: ۹۷ اور ۹۸) جمہور کے نزدیک قرآن کی تلاوت کے وقت استعاذہ پڑھنا مندوب ہے، شافعیہ اور حنابلہ کی رائے یہ ہے کہ: نماز کی ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کی تلاوت سے پہلے آہستہ سے تعوذ پڑھنا سنت ہے۔ ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ جب بھی نماز پڑھتے تو دعائے استفتاح سے پہلے: "أعوذ بالله السميع العليم من الشيطان الرجيم من همزة ونفخه ونفثه" پڑھتے تھے (احمد، ترمذی، نیل الاوطار: ج، ۲ ص: ۱۹۶)۔

سورة الفاتحه

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝ مَلِكِ يَوْمِ الدِّينِ ۝ إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ۝ اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ ۝

سورت کا لفظی ترجمہ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ (۱)	شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے
الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝	سب طرح کی تعریف خدا ہی کو (سزاوار) ہے جو تمام مخلوقات کا پروردگار ہے
الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝	بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے
مَلِكِ يَوْمِ الدِّينِ ۝	روز جزا کا مالک ہے
إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ۝	ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں
اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ۝	ہم کو سیدھے رستے پر چلا
صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ ۝	ان لوگوں کے رستے جن تو اپنا فضل کرتا رہا نہ اُن کے جن پر غصے ہوتا رہا ، اور نہ گمراہوں کے

تفسیر :

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ (۱)	شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے
---	--

لغات اور اصطلاحات کی تشریح:

»بِسْمِ اللَّهِ« یعنی : میں شروع کرتا ہوں اللہ کی تمام ناموں کے مدد سے ، کیونکہ لفظ اسم مفرد اور مضاف ہے ، اس لیے یہ تمام اسماء حسنی کو شامل ہے۔
 "اللہ" خدا اور معبود کے معنی میں ہے ، چونکہ خدا تعالیٰ الوہیت کی تمام صفات کمال سے متصف ہے چنانچہ اسی لیے صرف وہی عبادت کا مستحق ہے۔
 "الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ" یہ دو اسم اللہ تعالیٰ کے مبارک اسماء میں سے ہیں ، اور یہ بتاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عظیم اور وسیع رحمت والا ہے جو کہ ہر چیز اور ہر جاندار پر محیط ہے ، اور اللہ تعالیٰ اپنے پرہیزگار بندوں پر جو اس کے نبیوں کے پیروی کرتے ہیں اپنی رحمت برساتا ہے ، پس خدا کی لامحدود رحمت انسانوں کے اس گروہ کی حالت کو شامل ہے ۔
 جان لو کہ ایک ایسا قاعدہ اور اصول کہ جس پر اس امت کے اسلاف اور پیشروں کا اتفاق ہے وہ خدا تعالیٰ کے اسماء و صفات اور اس کے متعلق احکام پر ایمان ہے ، مثال کے طور پر ان کا عقیدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ "رحمان" اور "رحیم" بخشنے والا مہربان ہے ،

اور ایسی رحمتوں والا ہے جو اسی کی خاصیت ہے، اس لیے تمام برکتیں اور نعمتیں اس کی رحمت کے اثرات ہیں، خدا کے متعلق ان کے یہی عقائد تھے۔

تفسیر

«بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ»

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، ہمیشہ رحم کرنے والا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر عمل اللہ کے نام اور اس کی یاد سے مدد مانگتے ہوئے شروع کرنا چاہیے، اس کے مبارک نام کے ساتھ مدد و نصرت مانگنی چاہیے، کیونکہ وہی ذات فضل و کرم والا ہے، جس کی رحمت اور فضل وسیع اور کرم بے انتہا ہے، وہ رب جس کی لا محدود رحمت ہر چیز پر قادر ہے اور جس کے فضل و کرم میں ساری دنیا شامل ہے۔

امام طبریؒ فرماتے ہیں: خدا تعالیٰ نے اپنے اسماء مبارکہ کا ذکر کیا ہے، تاکہ اپنے نبیؐ کی رہنمائی کرے اور ان کو سکھائے کہ ہر نیک کام شروع کرنے سے پہلے اللہ کے اسماء مبارکہ کا ذکر کیا جائے، اپنی تمام مخلوقات کے لیے اس پر عمل پیرا ہونے کو روایت بنایا ہے، ایک واضح راستہ دکھایا ہے کہ اس پر چلیں، اس لیے جو کوئی قرآن کریم کی کسی بھی سورت کو "بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ" پڑھتے ہوئے شروع کرے تو درحقیقت وہ کہنا چاہتا ہے کہ: اللہ کے نام سے اس سورت کو پڑھنا شروع کرتا ہوں، اور دوسرے اعمال میں بھی ایسا ہی کرونگا۔ (جامع البیان طبری)

«بِسْمِ اللَّهِ» کی تفسیر اور معنی:

«بِسْمِ اللَّهِ» بنیادی طور پر تین الفاظ کا مجموعہ ہے۔

اول: حرف باء۔

دوم: اسم۔

سوم: اللہ۔

حرف باء عربی زبان میں مختلف معانی میں استعمال ہوا ہے، ان میں سے یہاں کی مناسبت سے متدرجہ معنوں میں سے کسی ایک کا انتخاب کیا جاسکتا ہے۔

اول: مصاحبت: یعنی ایک چیز کو دوسری چیز سے جوڑنا

دوم: استعانت: یعنی کسی سے مدد لینا۔

سوم: تبرک: کسی چیز سے برکت حاصل کرنا۔

لفظ "اسم" کے متعلق بہت سارے لغوی اور علمی تفصیلات موجود ہیں، ہمارے لیے یہ معلوم ہونا کافی ہے کہ فارسی دری، اور اردو زبان میں اس کا ترجمہ "نام" ہے۔

لفظ «اللہ»:

لفظ "اللہ" یہ پروردگار اقدس کے لیے اسم ذات ہے، جس کا اطلاق غیر اللہ پر نہیں ہوتا، اس اسم کا اصل "الہ" سے لیا گیا ہے، ہر اس معبود پر بولا جاتا ہے چاہے حق ہو یا باطل، پھر اس کا اطلاق معبود برحق پر غالب آگیا، پس اب لفظ اللہ ایک اسم علم معبود برحق کے لیے ہے، کیونکہ رب تعالیٰ کے علاوہ جن معبودوں کی پرستش کی جاتی ہے وہ برحق نہیں ہیں، وہ عبادت کے مستحق نہیں ہیں، مستحق عبادت اکیلا اللہ تعالیٰ ہے۔

بعض علماء نے لفظ "اللہ" کو اسم اعظم کہا ہے، اس کا اطلاق اللہ کے علاوہ کسی اور پر نہیں کیا جاسکتا؛ کیونکہ اس نام کا تثنیہ اور جمع نہیں ہوتا، اس لیے اللہ تعالیٰ اکیلا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں ہے، مختصر یہ کہ لفظ "اللہ" اس کائنات کو وجود بخشنے والے اس ذات لا یزال کا نام ہے جو کمال کی تمام صفات کا حامل ہے، اور ربوبیت کی تمام صفات سے متصف ہے اور اس کا کوئی مشابہ یا مثل نہیں ہے۔
ان کا یہ بھی ماننا ہے کہ: لفظ "اللہ" رب تعالیٰ کا سب سے عظیم اور جامع ترین اسم ذات ہے، وہی اسم اعظم ہے جس کی فضیلت کے بارے میں پیغمبر ﷺ نے فرمایا: "اذا دعی بہ اجاب... (سنن ترمذی....)"

ترجمہ: "جو بھی اللہ تعالیٰ سے اسم اعظم کے ذریعے دعا مانگے اس کی دعا قبول ہوتی ہے، اگر کوئی چیز طلب کرے اسے عطا فرماتا ہے۔"

«بسم اللہ»

حرف باء کے تین معانی کے اعتبار سے لفظ "بسم اللہ" کا معنی اس طرح ہوگا: "خدا کے نام سے"، "خدا کی مدد سے"، "خدا کے نام کی برکت سے" بظاہر تینوں مواقع میں معنی و مفہوم مکمل نہیں ہے، جب تک اس کام کا ذکر نہ ہو جو کرنا چاہتا ہے انسان جانتا ہے کہ اللہ کے نام سے یا اللہ کی مدد سے یا اللہ کی برکت سے کونسا کام شروع کرنا چاہتا ہے، نحوی قواعد کے مطابق مناسب فعل محذوف ہوگا، بطور مثال: اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں یا پڑھتا ہوں، (مطلب جو کام کرنا ہے وہ محذوف مانا جائے گا، اور یہ محذوف ابتداء میں آخر میں، مان سکتے ہیں مگر مناسب ہے کہ فعل کو آخر میں محذوف سمجھا جائے تاکہ واقعی طور پر کام کی ابتداء اللہ کے نام سے ہو، فعل محذوف کو خدا کے نام سے پہلے نہیں ہونا چاہیے، صرف حرف باء خدا کے نام سے پہلے آسکتا ہے، کیونکہ عربی زبان کے محاورہ کے لحاظ سے حرف باء کا اسم سے پہلے آنا لازمی ہے۔

خطاطی کے اصول کے مطابق حرف باء کو ہمزہ کے ساتھ متصل ہونا چاہیے، اور لفظ "اسم" الگ سے لکھا جائے، جیسے: "باسم اللہ"، لیکن مصاحف عثمانی کے رسم الخط کے مطابق، اجماع صحابہ کو مد نظر رکھتے ہوئے ہمزہ کو حذف کر کے (باء) کو (سین) کے ساتھ متصل لکھا گیا، اس طرح "بسم اللہ" لکھا جاتا ہے اس طرح بظاہر باء اسم کا جزو قرار پایا تاکہ کام کی ابتداء اللہ کے نام سے ہو، جبکہ بعض مواقع پر ہمزہ حذف نہیں کیا جاتا، جیسے: "اقراء باسم ربك" (سورة العلق: ۱) کہ یہاں باء کے ساتھ الف لکھا گیا ہے، یہ خصوصیت صرف "بسم اللہ" میں ہے کہ حرف "باء"، "سین" کے ساتھ متصل لکھی گئی ہے۔

«اللہ» اور «الہ» میں فرق

پہلا وہ اسم ہے جو ذات خدا تعالیٰ پروردگار مقدس کے ساتھ خاص ہے، جبکہ لفظ الہ مطلق معبود کے معنی میں ہے، چاہے وہ معبود حقیقی ہو یا باطل، اسی لیے یہ اسم خدا تعالیٰ اور معبودان باطلہ سب کے لیے بولا جاتا ہے۔

«الرحمن الرحيم»

یہ دونوں الفاظ اللہ کی صفات ہیں، "الرحمن" کا معنی: عمومی رحمت والا، اور "الرحيم" کا

معنی ہے کامل الرحمت ہونا، دوسرے الفاظ میں: "الرحمن" میں رحمت کی وسعت اور پھیلاؤ اور "الرحیم" رحمت کے کامل ہونے کی طرف اشارہ ہے، یعنی: اللہ تعالیٰ ایسی ذات ہے جس کی رحمت عام اور جو جہاں اور کائنات اب تک موجود ہے یا آئندہ وجود میں آئے گا سب کو شامل ہے، اور "تام الرحمة" ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی رحمت کامل اور مکمل ہے۔

اس لیے لفظ "رحمان" ذات خداوندی کے لیے خاص ہے اس کا اطلاق کسی بھی مخلوق پر جائز نہیں، کیونکہ سوائے خدا تعالیٰ کے اور کوئی ذات ایسی نہیں ہے جس کی رحمت دنیا کی تمام اشیاء کو محیط ہو۔

جس طرح لفظ « اللہ » کا تننہ اور جمع نہیں ہے، لفظ « رحمان » میں بھی یہ چیزیں نہیں پائی جاتیں، یہ صفت بھی اللہ کی ذات کے لیے خاص ہے اور اس میں دو یا زیادہ ہونے کا امکان نہیں۔ (قرطبی)۔ جبکہ لفظ "رحیم" میں یہ خصوصیت نہیں، کیونکہ یہ صفت مخلوق میں بھی پائی جا سکتی ہے، ایک انسان کسی دوسرے پر مکمل رحمت کر سکتا ہے، اسی لیے "رحیم" انسانوں کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ قرآن کریم میں یہ لفظ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے استعمال ہوا ہے: "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا رُفِّعُوا رُءُوفَ الرَّحِيمِ" (سورہ التوبہ: 128)۔

"بسم اللہ الرحمن الرحیم" کا اجمالی معنی یہ ہے کہ: میں ہر کام کا آغاز اللہ کے نام، اس کی یاد اور تسبیح کے ساتھ کرتا ہوں، میں اپنے تمام معاملات میں اسی سے مدد چاہتا ہوں، کیونکہ وہی پروردگار اور حقیقی معبود ہے جس کی رحمت ہر چیز پر پھیلی ہوئی ہے۔ وہی ہر چھوٹی بڑی نعمت دینے والا ہے، اور اسی کی بخشش اور مہربانی دائمی اور جاری رہنے والی ہے۔

فقہی اختلاف:

1 - مالکیہ اور حنفیہ کی رائے: "بسم اللہ الرحمن الرحیم" سورہ فاتحہ یا دیگر سورتوں کی آیت نہیں، بلکہ یہ ہر سورت کی ابتدا اور سورتوں کے درمیان فرق ڈالنے کے لیے لکھی گئی ہے۔

2 - شافعی اور حنبلی کی رائے: "بسم اللہ الرحمن الرحیم" سورہ فاتحہ کی آیت ہے، اور اسے نماز میں پڑھنا واجب ہے۔

فقہی اختلاف سے قطع نظر تمام امت مسلمہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ "بسم اللہ الرحمن الرحیم" قرآن کا حصہ ہے، جیسا کہ سورہ نمل میں ذکر ہوا ہے: "إِنَّهُ مِنْ سُلَيْمٍ وَإِنَّهُ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ" (سورہ النمل: 30) ترجمہ: "یہ خط سلیمان کی طرف سے ہے اور یہ اللہ کے نام سے (شروع کیا گیا ہے) جو بخشنے والا اور مہربان ہے۔"

«بسم اللہ الرحمن الرحیم» قرآن کی ایک آیت ہے:

تمام مفسرین کا اتفاق ہے کہ "بسم اللہ" سورہ نمل کی آیت 30 اور قرآن کا حصہ ہے، اور اسی لیے تمام سورتوں کے شروع میں (سوائے سورہ توبہ کے) لکھی گئی ہے۔ البتہ یہ کہ "بسم اللہ" سورہ فاتحہ یا دوسری سورتوں کا حصہ ہے یا نہیں، اس بارے میں ائمہ مجتہدین کا اختلاف ہے:

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ: کے نزدیک "بسم اللہ" سورہ نمل کے علاوہ کسی اور سورہ

کا حصہ نہیں، بلکہ یہ ایک مستقل آیت ہے جو ہر سورت کی ابتداء اور دو سورتوں کے درمیان فرق کرنے کے لیے نازل کی گئی ہے۔ (معارف القرآن)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ معلوم نہیں تھا کہ سورتوں کو کس طرح ایک دوسرے سے جدا کریں، یہاں تک کہ "بسم اللہ الرحمن الرحیم" نازل ہوئی۔

حدیث شریف میں آیا ہے: "کل أمر ذي بال لم يبدأ بسم الله فهو أبت" ، "ہر اہم کام جو اللہ کے نام سے شروع نہ کیا جائے وہ بے برکت ہے۔"

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین قرآن کریم کی تلاوت "بسم اللہ الرحمن الرحیم" سے شروع کرتے تھے۔ لہذا، کسی بھی نیک عمل یا گفتگو کا آغاز «بسم اللہ» سے کرنا مستحب ہے۔

تفسیر گلشاہی کے مصنف لکھتے ہیں: مفسرین اور فقہائے مدینہ، بصرہ، اور شام کے نزدیک "بسم اللہ الرحمن الرحیم" سورہ فاتحہ کی آیت ہے لیکن کسی اور سورہ کی آیت نہیں، ان کے مطابق یہ سورتوں کے درمیان فاصلہ پیدا کرنے اور ہر کام کو بابرکت بنانے کے لیے سورتوں کے آغاز میں لکھی گئی ہے۔ امام ابوحنیفہ اور ان کے پیروکار بھی یہی نظریہ رکھتے ہیں اور اسی لیے نماز میں "بسم اللہ الرحمن الرحیم" بلند آواز سے نہیں پڑھتے۔

دوسری جانب، مکہ اور کوفہ کے قاری اور فقہاء اس بات کے قائل ہیں کہ "بسم اللہ الرحمن الرحیم" نہ صرف سورہ فاتحہ بلکہ ہر سورہ کی آیت ہے، امام شافعی اور ان کے پیروکار بھی یہی نظریہ رکھتے ہیں اور اسی وجہ سے نماز میں اسے بلند آواز سے پڑھتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ سلف نے منع کیا ہے کہ قرآن کی آیات کے ساتھ کسی چیز کو درج کیا جائے، جیسا کہ "آمین" جو قرآن کا حصہ نہیں، مصحف میں درج نہیں کیا گیا، اگر "بسم اللہ الرحمن الرحیم" قرآن کا حصہ نہ ہو تو اسے درج نہیں کیا جاتا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا: "جو شخص 'بسم اللہ الرحمن الرحیم' چھوڑ دے، گویا وہ قرآن کی 114 آیات کو ترک کر رہا ہے۔"

تفہیم القرآن کے مصنف لکھتے ہیں: اسلام انسان کو یہ ادب سکھاتا ہے کہ وہ اپنے تمام کام اللہ کے نام اور ذکر سے شروع کرے۔ اگر اس قاعدے پر اخلاص کے ساتھ عمل کیا جائے تو تین اہم فائدے حاصل ہوتے ہیں:

1 - انسان برے اور غیر مناسب کاموں سے محفوظ رہتا ہے، کیونکہ اللہ کے نام کے ساتھ کسی کام کا آغاز کرنے سے پہلے وہ غور کرتا ہے کہ کیا واقعی میں حق رکھتا ہوں کہ اس کام کو اللہ کے نام کے ساتھ شروع کروں۔

2 - کسی اچھے اور جائز کام کو اللہ کے نام سے شروع کرنے سے نیت اور ارادہ صحیح سمت اختیار کرتا ہے، اور انسان صحیح سمت اور طریقے سے اپنے عمل کا آغاز کرتا ہے۔

3 - سب سے اہم فائدہ اس بات کا یہ ہے کہ اللہ کے نام سے کام شروع کرنے سے انسان پر اللہ کی برکت اور مدد نازل ہوتی ہے۔ اس کا عمل شیطانی وسوسوں سے محفوظ رہتا ہے، اور اس کی کوشش میں برکت آتی ہے، اللہ کا قانون یہ ہے کہ جب کوئی بندہ اللہ کی طرف توجہ کرتا ہے تو اللہ بھی اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔

«بِسْمِ اللّٰهِ» سے کام یا تلاوت شروع کرنے کا حکم:

اسلام سے پہلے دور جاہلیت میں لوگ اپنے اہم کام بتوں کے نام سے شروع کیا کرتے تھے، اس غلط رسم کو ختم کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن کی پہلی وحی میں یہ حکم دیا کہ قرآن کی تلاوت "بِسْمِ اللّٰهِ" سے شروع کی جائے: «اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ» (سورہ علق: 1)۔

عالم اسلام کے مشہور مفسر جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صرف قرآن ہی نہیں بلکہ تمام آسمانی کتابیں جو گذشتہ زمانے میں انبیاء کرام پر نازل ہوئی تھیں وہ بھی اللہ کے نام سے شروع کی گئی تھیں۔

اگرچہ بعض علماء کے نزدیک "بسم اللہ الرحمن الرحیم" صرف قرآن کریم کی خصوصیات میں سے ہے، اور امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امتیازی خصوصیت ہے، ان دونوں باتوں کی تطبیق اس طرح ہوسکتی ہے کہ تمام آسمانی کتابیں اللہ کے نام سے شروع ہونے میں مشترک ہیں، جبکہ "بسم اللہ الرحمن الرحیم" کا پورا جملہ یا آیت قرآن کی خاص نشانی ہے۔

سیرت نگاروں نے ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نزولِ "بسم اللہ الرحمن الرحیم" سے پہلے ہر کام "بِاسْمِکَ اللّٰهُمَّ" کہہ کر شروع کرتے تھے، اور اپنے خطوط میں اسے لکھنے کا حکم صادر فرماتے تھے، "بِسْمِ اللّٰهِ" نازل ہونے کے بعد اس نے سابقہ الفاظ کی جگہ لے لی اور ہمیشہ کے لیے امت کے درمیان سنت کے طور پر برقرار رہی۔ (قرطبی، روح المعانی)۔

قرآن کریم کئی مواقع پر اس بات کی ہدایت دیتا ہے کہ ہر کام کو اللہ کے نام سے شروع کیا جائے۔ جیسا کہ اوپر ہم نے ذکر کیا، حدیث شریف میں بھی یہی حکم آیا ہے: "ہر وہ کام جو اللہ کے نام کے بغیر شروع کیا جائے، وہ بے برکت ہوگا۔" کل امر ذی بال لم یبداء بِبِسْمِ اللّٰهِ فَهُوَ اَبْتَرٌ۔

اسی طرح ایک اور حدیث میں فرمایا گیا: "جب تم گھر کا دروازہ بند کرو، چراغ بجھاؤ، برتن ڈھانپو، کھانے یا پینے سے پہلے اور وضو کرتے وقت سواری پر سوار ہوتے وقت 'بسم اللہ' کہو۔" (قرطبی)

اسلام ہمیں یہ سکھاتا ہے کہ ہر کام اللہ کے نام سے شروع کیا جائے، اور انسانی زندگی کی تکمیل کا راستہ خدا کی طرف اس طرح متعین کیا گیا ہے کہ قدم قدم پر اس عہد کی تجدید کی جائے کہ بشریت کا وجود اور اس کے تمام کاموں کی انجام دہی اللہ کے ارادے اور مشیت کے تابع ہے، یہ تعلیم اس بات کی یاد دہانی کراتی ہے کہ ہماری ہر سرگرمی بلکہ ہمارا وجود اللہ کی مدد کے بغیر ممکن نہیں۔

یہ وہ مقام ہے جہاں ہر قسم کی انسانی سرگرمی چاہے معاشی ہو یا دیگر معاملات جب یہ اللہ کے نام سے شروع ہوں تو یہ عبادت میں شمار ہوتے ہیں۔

بسم اللہ کی فضیلت اور اس کے پڑھنے کے مقامات:

1 - وضو کرتے وقت:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَا وُضُوءَ لَهُ، وَلَا وُضُوءَ لِمَنْ لَمْ يَذْكُرْ اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهِ" (احمد، ترمذی، ابن ماجہ ابوداؤد اور ابن کثیر کا کہنا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے) "جو شخص وضو کے آغاز میں 'بسم اللہ' نہیں کہتا، اس کا وضو مکمل نہیں"، (بعض علماء نے کہا ہے کہ: یہ حدیث کچھ دوسری احادیث کے ساتھ وجوب کے درجہ سے ساقط ہوئی ہے، اگر کوئی آدمی وضو کرتے ہوئے بسم اللہ نہ کہے تو اس کا وضو ہوجاتا ہے۔

2 - جانوروں کے شکار اور ذبح کے وقت:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يَذْكُرْ اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهِ وَإِنَّهُ لَفِسْقٌ" (سورہ انعام: 121) "وہ چیز نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو، کیونکہ وہ فسق ہے"، اسی طرح فرمایا: "فَكُلُوا مِمَّا أَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهِ" (سورہ مائدہ: 4) "ان شکاری جانوروں کے شکار میں سے کھاؤ جن پر اللہ کا نام لیا گیا ہو۔"

عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تربیت یافتہ کتے کے شکار کے بارے میں پوچھا جب کہ اس کے ساتھ دوسرا کتا بھی شریک ہو، اور معلوم نہ ہو کہ ان میں سے کونسے نے شکار پکڑا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کو جواب میں فرمایا کہ: «لَا تَأْكُلْ فَإِنَّمَا سَمَّيْتَ عَلَى كَلْبِكَ وَلَمْ تُسَمِّ عَلَى غَيْرِهِ» ("متفق علیہ) اس شکار کو نہ کھاؤ کیونکہ تم نے اللہ کا نام صرف اپنے کتے پر لیا تھا، دوسرے پر نہیں۔

3 - کھانے پینے کے وقت:

حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب میں بچہ تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں کھانے کے دوران دونوں ہاتھوں سے کھانے لگا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "يَا غُلَامُ، سَمِّ اللَّهَ وَكُلْ بِيَمِينِكَ، وَكُلْ مِمَّا يَلِيكَ"، "اے بچے! اللہ کا نام لو، دائیں ہاتھ سے کھاؤ، اور اپنے سامنے سے کھاؤ۔"

4 - بیماری اور تکلیف میں دم کرتے وقت:

حضرت عثمان بن ابی العاص ثقفی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی بیماری کی شکایت کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ضَعْ يَدَكَ عَلَى الَّذِي تَأَلَّمَ مِنْ جَسَدِكَ وَقُلْ بِاسْمِ اللَّهِ. ثَلَاثًا. وَقُلْ سَبْعَ مَرَّاتٍ أَعُوذُ بِاللَّهِ وَقُدْرَتِهِ مِنْ شَرِّ مَا أَجِدُ وَأُحَازِرُ" (مسلم و غیرہ) "جہاں درد محسوس ہو رہا ہو وہاں ہاتھ رکھو، تین بار "بسم اللہ" کہو، اور سات بار یہ دعا پڑھو: "أَعُوذُ بِاللَّهِ وَقُدْرَتِهِ مِنْ شَرِّ مَا أَجِدُ وَأُحَازِرُ" (میں اللہ اور اس کی قدرت سے پناہ مانگتا ہوں اس چیز کے شر سے جو میں محسوس کرتا ہوں اور جس سے میں ڈرتا ہوں)۔ (مسلم)

ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں : جبریلؑ نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور کہا: اے محمدؐ آپ بیمار ہیں اور درد محسوس کرتے ہیں؟ فرمایا: جی ہاں ، جبریل نے کہا: «بِسْمِ اللّٰهِ اَرْقِيْكَ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ يُؤْذِيْكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ نَفْسٍ اَوْ عَيْنٍ حَاسِدٍ اللّٰهُ يَشْفِيْكَ بِسْمِ اللّٰهِ اَرْقِيْكَ».

ترجمہ: میں اللہ کے نام سے آپ پر دم کرتا ہوں، ہر اس چیز سے (حفاظت کے لیے) جو آپ کو تکلیف دے، ہر نفس اور ہر حسد کرنے والی آنکھ کے شر سے، اللہ آپ شفاء دے، میں اللہ کے نام سے آپ پر دم کرتا ہوں۔

5 - مسجد میں داخل ہوتے اور نکلتے کے وقت:

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مسجد میں داخل ہوتے تو فرماتے: "بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ" (اللہ کے نام کے ساتھ، اے اللہ! محمد پر درود و سلام ہو، اے اللہ! مجھ پر اپنی رحمت کے دروازے کھول دے)۔

اور جب مسجد سے باہر نکلتے تو فرماتے: "بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ فَضْلِكَ"

(اللہ کے نام کے ساتھ، اے اللہ! محمد پر درود و سلام ہو، اے اللہ! اپنے فضل کے دروازے میرے لیے کھول دے)۔ (ابن سنی)

6 - شوہر اور بیوی کی قربت کے وقت:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ قربت کرے تو یہ دعا پڑھے: "بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ جَبِّبْنَا الشَّيْطَانَ، وَجَبِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا، فَاِنَّهُ اِنْ يُقَدَّرَ بَيْنَهُمَا وَلَدٌ فِيْ ذَلِكَ لَمْ يَضُرَّهُ الشَّيْطَانُ اَبَدًا" (اللہ کے نام کے ساتھ، اے اللہ! ہمیں شیطان سے بچا اور جو اولاد تو ہمیں عطا کرے اسے بھی شیطان سے بچا، اگر اس قربت سے بچہ پیدا ہو تو شیطان اسے نقصان نہیں پہنچا سکے گا)۔ (بخاری، مسلم)۔

7 - صبح اور شام کے اوقات میں:

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو بندہ صبح اور شام تین مرتبہ یہ دعا پڑھتا ہے: «بِسْمِ اللّٰهِ الَّذِي لَا يَضُرُّ مَعَ اسْمِهِ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَهُوَ السَّيِّعُ الْعَلِيمُ» (اللہ کے نام کے ساتھ، جس کے نام کے ساتھ زمین اور آسمان میں کوئی چیز نقصان نہیں پہنچا سکتی، اور وہ سننے والا، جاننے والا ہے) تو اس کو کوئی چیز نقصان نہیں پہنچا سکے گی" (ابوداؤد، ترمذی، حاکم اور ذہبی نے اسے صحیح قرار دیا ہے)۔

8 - گھر کے دروازے بند کرتے وقت:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب رات آجائے اور شام گذر جائے تو اپنے بچوں کو گھر لے آؤ اور رات کا کچھ حصہ گزرنے کے بعد ان کو سلاؤ، اور اللہ کا نام لیتے ہوئے گھر کے دروازے بند کرو ، کیونکہ شیطان وہ دروازے نہیں کھول سکتا جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو، ٹینکی اور

مٹکے وغیرہ میں پانی ہوتو اس کو ڈھک کرکے اس پر خدا نام لو، وہ برتن اور پلیٹیں جن میں کھانا رکھاہو ان پر خدا کا نام لیکر نہیں ڈھک کر رکھ، اور چراغوں کو بجھاؤ (ابوداؤد)۔

9 - گھر میں داخل ہوتے اور نکلتے وقت:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب کوئی شخص گھر سے نکلتے وقت یہ کہے: **"بِسْمِ اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ. لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ"** (اللہ کے نام کے ساتھ، میں نے اللہ پر بھروسہ کیا، اور اللہ کی مدد کے بغیر کوئی طاقت اور قوت نہیں) تو اس وقت اس سے کہا جاتا ہے: تم محفوظ ہو گئے، اور شیطان تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکتا" (مسلم)۔

جابر بن عبد اللہؓ کہتے ہیں کہ میں نے سنا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب کوئی شخص اپنے گھر جاتا ہے اور گھر میں داخل ہوتے وقت اور کھانا کھاتے وقت اللہ کا نام لیتا ہے، تو شیطان کہتا ہے کہ میرے لیے نہ رہنے کی جگہ ہے اور نہ کھانا ہے، اور اگر انسان اپنے گھر میں داخل ہوتے وقت خدا کا نام نہ لے تو شیطان کہتا ہے کہ میں نے اپنے لیے رہنے کی جگہ بنالی، اگر انسان کھانا کھاتے وقت خدا کا نام نہ لے، تو شیطان کہتا ہے میں نے اپنے لیے رہنے کی جگہ بھی بنالی۔ اور مجھے کھانا بھی مل گیا۔

10 - کسی بھی سواری پر سوار ہوتے وقت:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سواری پر بیٹھتے تو یہ دعا پڑھتے: **"بِسْمِ اللّٰهِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ سُبْحَانَ الَّذِي سَخَّرَ لَنَا هَذَا وَمَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِينَ"** (اللہ کے نام کے ساتھ، سب تعریف اللہ کے لیے ہے، پاک ہے وہ ذات جس نے اسے ہمارے لیے مسخر کیا، حالانکہ ہم اسے قابو کرنے کے قابل نہ تھے۔) (مسلم)

11 - قرآن پڑھتے، خط یا کچھ بھی لکھتے وقت:

(الف) قرآن پاک کی تلاوت کرتے وقت کہنا چاہیے: **"بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ"**، چاہے نماز میں ہوں یا عام حالات میں، ہمیشہ جب ہم تلاوت کرنا چاہیں تو ابتدا میں **"بِسْمِ اللّٰهِ"** کہنا چاہیے۔

(ب) کوئی خط یا مضمون یا کتاب وغیرہ لکھتے وقت اللہ کے نام سے آغاز کرنے کا ذکر قرآن میں ہے: **"إِنَّهُ مِنْ سُلَيْمٍ وَإِنَّهُ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ"** (سورہ نمل: 30) (یہ خط سلیمان کی طرف سے ہے اور یہ اللہ کے نام سے شروع ہوتا ہے جو بڑا مہربان اور رحم کرنے والا ہے)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے خطوط کا آغاز **"بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ"** سے کیا، مثال کے طور پر ہرقل قیصر روم کو لکھے گئے خط میں آپ نے فرمایا: **"بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ. مِنْ مُحَمَّدٍ عَبْدِ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ. إِلَى هِرَقْلَ عَظِيمِ الرُّومِ. سَلَامٌ عَلَى مَنْ اتَّبَعَ الْهُدَى. أَسْلِمْتُ تَسْلَمُ. وَأَسْلِمْتُ يَوْمَ تَكُ اللّٰهُ أَجْرَكَ مَرَّتَيْنِ"** (بخاری) "اللہ کے نام سے، محمد صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ کے بندے اور رسول کی طرف سے، ہرقل، روم کے بادشاہ کے نام، ہدایت کے پیروکار پر

سلامتی ہو، اسلام قبول کرو تاکہ تم محفوظ رہو، اور اللہ تمہیں دوگنا اجر عطا کرے گا۔"
حاصل بحث:

- 1 - «بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ» سورہ نمل کا حصہ ہے اور اس کی ایک آیت ہے۔
- 2 - یہ آیت سورتوں کے درمیان فرق کرنے کے لیے نازل کی گئی ہے۔
- 3 - «بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ» سورہ فاتحہ کی پہلی آیت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "الحمد لله رب العالمین، أم القرآن، أم الكتاب، والسبع المثانی..." (ترمذی) "الحمد لله رب العالمین، قرآن کی ماں، کتاب کی ماں، اور بار بار دہرائی جانے والی سات آیات"۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِي وَالْقُرْءَانَ الْعَظِيمَ" (الحجر: 87)
"ہم نے آپ کو سات دہرائی جانے والی آیات اور عظیم قرآن عطا کیا۔"
حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: "أن النبی قرأ الفاتحة وعدّ البسلة آية منها" (ابن خزيمة). رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ فاتحہ تلاوت کی اور "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ" کو اس کی ایک آیت شمار کیا، (ابن خزيمة)۔

سب طرح کی تعریف خداہی کو (سزاوار) ہے
جو تمام مخلوقات کا پروردگار ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ﴿۲﴾

لغات اور اصطلاحات کی تشریح

«الحمد»: تعریف اور تمجید نیکی کے ساتھ جو بہ طریق تعظیم اور محبت کے ساتھ ہو، "حمد" ذم کی ضداور نقیض، اور "شکر" سے زیادہ عام ہے، کیونکہ شکر صرف نعمت کے بدلے میں کیا جاتا ہے، جبکہ "حمد" کسی بھی حالت میں ہو سکتی ہے۔ (صفوة التفسیر)

«رَبّ»: پروردگار، لفظ "رَبّ" مصدر ہے جس کا معنی ہے تربیت کرنا، اس مقام پر اسم فاعل یعنی "مربی" پرورش کرنے والے کے معنی میں استعمال ہوا ہے اور اللہ کی صفت بیان کر رہا ہے۔

"اللہ" یہ اللہ تعالیٰ کا خاص نام ہے، جس میں کوئی بھی شریک نہیں۔ امام قرطبی کے مطابق: "اللہ" خدا تعالیٰ کا سب سے بڑا اور جامع نام ہے، اللہ اس موجود حقیقی کا نام ہے جو تمام صفات الوہیت کا احاطہ کرتا ہے، اور ربوبیت کے تمام اوصاف اس میں پائے جاتے ہیں، اور اس ذات کے علاوہ کوئی بھی معبود برحق نہیں۔

«رَبّ» یہ لفظ «تربیت» سے ہے، جس کا معنی ہے اصلاح کرنا اور دیگر امور کا خیال کرنا۔

ہر وی کہتے ہیں کہ: جب کوئی شخص کسی کام یا چیز مکمل کرے تو کہتے ہیں کہ: اس کی تربیت کی ہے، لفظ "ربانیون" اسی سے منقول ہے، جو ان لوگوں کے لیے استعمال ہوتا ہے جو کتاب میں مشغول ہوتے ہیں اور اس پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔ (تفسیر قرطبی)
لفظ "رَبّ" کے مختلف معنی ہیں، جیسے: مالک، مصلح، معبود، سردار اور حکمران۔

(صفوة التفاسیر)۔

«رَبِّ» اس ذات کو کہتے ہیں جو کسی چیز کی ملکیت بھی رکھتا ہو اور اس کی پرورش اور نشوونما بھی کرتا ہو، اللہ تعالیٰ حقیقی معنوں میں کائنات کا مالک، مدبر، اور پروردگار ہے، وہی ہر چیز کو اس کے مقرر کردہ راستے پر لے کر چلتا ہے اور اس کی رہنمائی کرتا ہے۔

«الْعَالَمِينَ»: دنیا اور اس میں بسنے والے یعنی: خالق کی تمام تخلیق، العالم: یہ آلہ کا نام ہے، یعنی: ہر وہ چیز جس سے اللہ کی پہچان ہوتی ہے، تغلیباً یہ جمع مذکر سالم کی صورت میں (ین) کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، (فرقان)

حمد کا مفہوم: یہ مدح اور شکر کے مفہوم کا مرکب ہے، انسان جمال و کمال اور خوبصورتی کے مقابلے میں تعریف، اور دوسروں کی طرف سے کی گئی خدمت، نعمت اور احسان کے مقابلے میں شکریہ ادا کرتا ہے، خدا تعالیٰ اپنے کمال اور جمال کی وجہ سے حمد یعنی تعریف کا مستحق ہے، اور اپنی نعمتوں اور احسان کی وجہ سے شکر کا۔

«الحمد لله» کہنا خدا تعالیٰ کا سب سے بہترین شکر اور تعریف کا طریقہ ہے، جو کوئی بھی اور کسی بھی زبان میں کہیں بھی کسی کمال اور خوبصورتی کی تعریف کرتا ہے دراصل وہ اس کے ماخذ یعنی اللہ کی تعریف کرتا ہے۔

البتہ مخلوق کی شکرگزاری کرنا خدا کی تعریف اور شکر سے متصادم نہیں ہے، بشرطیکہ یہ خدا کے متعین کردہ راستے اور اس کے حکم کے مطابق ہو۔

تفسیر:

قرآن کریم میں سورہ فاتحہ کے علاوہ کئی سورتیں اور بھی ہیں جو لفظ الحمد سے شرع ہوتی ہیں، جیسے: الانعام، کہف، سبا اور فاطر، سورۃ الفاتحہ میں الحمد کے ساتھ «رَبِّ الْعَالَمِينَ» کا ذکر کیا گیا ہے۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ:

یعنی: اے میرے بندو! جب بھی میری تعریف اور شکر ادا کرنا چاہو تو کہو: «الْحَمْدُ لِلَّهِ» میرے احسان کے بدلے میں شکر ادا کرو اور میری عظمت اور کبریائی کا اعتراف کرو، جان لو کہ میں ہی وہ رب ہوں جو تمام مخلوقات اور کائنات کا خالق اور اکیلا پرورش کرنے والا ہے۔

وہ ایسا پروردگار ہے جس نے انسان کو پیدا فرمایا اور زق دیا ہے، اپنے دوستوں کو ایمان، علم اور خصوصیات کی ترتیب سے درجات عطا فرمائے ہیں، صرف وہی شکر اور تعریف کا مستحق ہے؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ جو دوسروں سے بے نیاز ہے اور مکمل طور پر مطلق بے نیاز ہے، جبکہ اس کے علاوہ جتنے بھی ہیں وہ سب اللہ کے درکے محتاج اور اس کے آگے فقیر ہیں۔

حمد کا مطلب ہے تعریف اور شکر، جو کہ زبان کے ساتھ فضیلت دینے کے لیے کہا جاتا ہے، حمد کا تعلق صرف زبان کے ساتھ ہے، جبکہ شکر زبان، دل اور جسم کے تمام اعضاء کے ساتھ ادا کیا جاتا ہے، دوسری بات یہ ہے کہ شکر نعمت کے مقابلے میں ہوتا ہے، لیکن حمد یا تعریف قابل تعریف ذات کے کمال کے لیے ہوتا ہے، یعنی

اس کی تعریف کی جائے گی اگرچہ نعمت کے مقابلے میں ہویا نہ ہو۔ دوسری بات یہ ہے کہ حمد وہ تعریف ہے جو اس کے لیے کی جائے گی جس سے محبت ہو اور جس کی تعظیم مقصود ہو، اگر محبت اور تعظیم کی بنیاد پر نہ ہو تو وہ حمد نہیں کہلائے گی، اس لیے حق تعالیٰ کے لیے ہمیشہ حمد کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے، جبکہ لفظ "مدح" رب تعالیٰ کے لیے اس وقت استعمال ہوگا کہ اس میں محبت اور تعظیم کا معنی مد نظر رکھیں، پس حمد و ثناء محبت و تعظیم کی رو سے صفات کمال کے ساتھ تعریف ہے اس ذات کے لیے، یہاں لفظ حمد (ال) الف لام استغراقی ہے جو تمام محامد اور تعریفات کو شامل ہے، پس تمام تعریفات اللہ کے لیے لائق و زیبا ہیں جو قابل حمد ہے، اس لیے جب بھی آپؐ کو خوشی اور غمی ملتی تو آپؐ فرماتے: "الحمد لله علی کل حال" صحیح، سنن ابن ماجہ (3803) شعب الایمان، بیہقی (4065) البانی نے تخریج الکلم الطیب (140) میں اسے حسن کہا ہے۔

"حمد و ثناء اس اللہ کے لیے ہی ہے جس کی نعمتوں کی بدولت ہی تمام نیکیاں تکمیل پاتی ہیں" ہر حال میں حمد و ثناء خدا کے لیے لائق ہے۔

رب:

بہ معنی پروردگار، مالک، سرور، سالار، مصلح، مدبر اور معبود؛ خدا تعالیٰ کے اسماء میں سے ہے، جبکہ اللہ کے علاوہ کسی اور کے لیے بغیر قید و اضافت کے اس کا استعمال نہیں ہوتا، جیسا کہ کہا جائے گا: "هذا الرجل رب المنزل" یہ آدمی اس گھر کا رب "مالک" ہے، "الْعَالَمِينَ" جمع عالم، اس سے مراد ہر وہ چیز ہے جو اللہ کے علاوہ ہو، بعض کا کہنا ہے کہ عالم سے مراد تمام وہ موجودات ہیں جو عاقل ہوں، ان میں صرف انسان، جن، فرشتے اور شیاطین شامل ہیں، اس تعریف کے مطابق چوپایوں اور جانوروں کو عالم نہیں کہا جائے گا۔

«عالمین» سے مراد یا تو فقط انسان ہیں، جیسے سورہ حجر کی آیت 70 میں قوم لوط نے حضرت سے کہا: "أَوَلَمْ نُنْهَكْ عَنِ الْعَالَمِينَ" کیا ہم نے تجھے لوگوں کے ساتھ ملاقات سے منع نہیں کیا تھا؟، یا مراد دنیا کے تمام عوالم ہیں۔

"عالم" بہ معنی مخلوقات، اور "عالمین" تمام مخلوقات کے لیے بھی استعمال کیا گیا ہے، اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام موجودات کا ایک ہی پروردگار پیدا کرنے والا ہے، دور جاہلیت میں بعض لوگوں کا جواعتقاد تھا کہ ہر موجود شئی کے لیے الگ الگ خدا ہے، وہی اس کا مدبر اور اس چیز کا پالنے والا ہے یہ عقیدہ باطل ہے، (تفسیر نور)۔

«العالمین» کا مطلب ہے تمام مخلوقات، اس میں اللہ کے علاوہ ہر وہ چیز شامل ہے جو دنیا میں موجود ہے، لفظ (العالم: جہاں) یہ لفظ جمع ہے، عبارت میں مفرد کی صورت میں استعمال نہیں ہوتا، (العوالم) وہ تمام مخلوقات جو آسمان، زمین سمندر اور خشکی میں ہیں، چنانچہ اس لحاظ سے انسان ایک عالم ہے، جنات الگ عالم ہے، فرشتے الگ عالم ہے (ان سب عوالم کے لیے العالمین کہا گیا ہے)۔

بشر بن عمارہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں "الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ" تمام تعریفات اور شکر اس اللہ کے لیے ہے جو آسمانوں، زمینوں اور ان کے درمیان جو کچھ موجود ہے، چاہے ہمیں اس کا علم ہو یا نہ ہو ان سب کا خالق ہے۔

«الحمد لله کہنے کے مواقع»

1 - کھانے اور پینے کے بعد

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "إِنَّ اللَّهَ لَيَرْضَى عَنِ الْعَبْدِ أَنْ يَأْكُلَ الْأَكْلَةَ فَيَحْمَدَهُ عَلَيْهَا أَوْ يَشْرَبَ الشَّرْبَةَ فَيَحْمَدَهُ عَلَيْهَا" (مسلم و غیرہ) "اللہ اس بندے سے راضی ہوتا ہے جو ایک لقمہ کھانے کے بعد یا ایک گھونٹ پینے پر اللہ کا شکر ادا کرے"۔

"مَنْ أَكَلَ طَعَامًا فَقَالَ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَطْعَمَنِي هَذَا وَزَفَيْتَنِي مِنْ غَيْرِ حَوْلٍ مِنِّي وَلَا قُوَّةٍ. غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ" (ترمذی و غیرہ) ترجمہ: جس نے کھانا کھانے کی بعد یہ دعا پڑھی: تمنا تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہے، جس نے مجھے یہ کھانا کھلایا، اور یہی کھانا مجھے عطایا فرمایا میری طرف سے کسی کوشش اور کسی طاقت کے بغیر، تو اس کے گزشتہ سارے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔

2 - سوتے وقت کی دعا

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب سونے کا ارادہ کرتے تو فرماتے: "الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَكَفَانَا وَأَوَانَا فَكَمْ مِنْ لَاحِظٍ لَكَ وَلَا مُؤَيٍّ" (مسلم) ترجمہ: "تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے ہمیں کھلایا، پلایا، کفایت کی، اور ٹھکانا دیا، کتنے ایسے لوگ ہیں جنہیں نہ کفایت حاصل ہے اور نہ ٹھکانہ میسر ہے"۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضرت علی بن ابی طالبؓ سے روایت کرتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب تم اپنے بستر پر جاؤ، تو 33 مرتبہ سبحان اللہ، 33 مرتبہ الحمد للہ، اور 34 مرتبہ اللہ اکبر کہو" (بخاری)۔

3 - نیند سے جاگنے کی دعا

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب سونے لگتے تو دائیں ہاتھ کو دائیں رخسار کے نیچے رکھ کر فرماتے: "بِسْمِكَ اللَّهُمَّ أَحْيَا وَأَمُوتُ" اے اللہ، تیرے نام کے ساتھ میں جیتا ہوں اور مرتا ہوں۔

اور جب جاگتے تو فرماتے: "الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَحْيَانَا بَعْدَ مَا أَمَاتَنَا وَإِلَيْهِ النُّشُورُ"۔ "تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے ہمیں مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیا، اور اسی کی طرف لوٹنا ہے" (بخاری)۔

4 - چھینک آنے کے بعد کی دعا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب تم میں سے کسی کو چھینک آئے تو "الحمد لله" کہے، اور

سننے والا "یرحمک اللہ" کہے، پھر چھینکنے والا جواب میں کہے: "یہدیکم اللہ ویصلح بالکم" (اللہ تمہیں ہدایت دے اور تمہارے حالات درست کرے) (بخاری وغیرہ)۔

5 - معذور شخص کو دیکھنے کی دعا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مَنْ رَأَى مُبْتَلًی فَقَالَ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي عَافَانِي مِمَّا ابْتَلَاكَ بِهِ وَفَضَّلَنِي عَلَى كَثِيرٍ مِمَّنْ خَلَقَ تَفْضِيلًا لَمْ يُصِبْهُ ذَلِكَ الْبَلَاءُ" (ترمذی) جو شخص کسی بیمار یا معذور کو دیکھے تو یہ دعا کرے: تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھے اس آزمائش سے محفوظ رکھا جس سے تیری آزمائش کی اور مجھے بہت سی مخلوقات پر فضیلت دی، تو اللہ اسے اس آزمائش سے محفوظ رکھتا ہے۔

6 - رکوع سے اٹھنے کے بعد کی دعا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب امام کہے "سمع اللہ لمن حمدہ" تو تم کہو "ربنا ولك الحمد" جس کے یہ الفاظ فرشتوں کے ساتھ موافق ہو گئے، اللہ اس کے تمام گناہوں کو معاف کر دے گا" (متفق علیہ)۔

7 - نماز کے بعد کی دعا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص فرض نماز کے بعد 33 مرتبہ سبحان اللہ، 33 مرتبہ الحمد للہ، اور 33 مرتبہ اللہ اکبر کہے اور آخر میں کہے: "لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ" اللہ تعالیٰ اس کے تمام گناہوں کو معاف کر دے گا، چاہے وہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں" (مسلم)۔

8 - رات کے وقت جاگنے کی دعا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو رات کو جاگے تو یہ دعا پڑھے: "لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، سُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ" ، اور اس کے بعد کہے: "اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي"، تو اس کی دعا قبول ہوگی، اور اگر وضو کر کے نماز پڑھے تو اس کی نماز بھی قبول ہوگی" (بخاری وغیرہ)۔

الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ ۝ بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

تفسیر

"الرحمن" اور "الرحيم" یہ دونوں لفظ "رحمت" سے (مبالغہ) کے صیغے ہیں، "رحمن" میں مبالغہ "رحيم" سے زیادہ ہے، لیکن "رحمن" عمومی اور وسیع ہے، جبکہ "رحيم" زیادہ خاص ہے، اس لیے بعض کہتے ہیں کہ: "رحمن" کی رحمت دنیا اور آخرت میں سب کے لیے عام ہے، جبکہ "رحيم" کی رحمت خاص طور پر ایمان والوں کے لیے آخرت میں ہوگی۔

ابن جریر طبری فرماتے ہیں: "اللہ اپنی تمام مخلوقات پر رحمان اور ایمان والوں پر رحيم ہے"

البتہ "رحمن" کا اسم عام اور جامع ہے "رحیم" کے مقابلے میں کہ یہ خاص ہے، یعنی : اللہ تعالیٰ خاص رحمت والا ہے اور اس کی خاص رحمت مؤمنوں کے لیے ہے، جبکہ اس کی جامع رحمت تمام چیزوں کو شامل ہے، اس لیے اسم "الرحمن" کا اطلاق صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہوتا ہے، دوسروں کے لیے یہ نام نہ رکھا جائے۔

دوسرے الفاظ میں یہ کہہ سکتے ہو کہ: "الرحمن" میں رحمت جامع ہے، کیونکہ یہ (فعلان) کے وزن پر آیا ہے جو وسعت اور جامعیت کی دلیل ہے، "الرحیم" رحمت پہنچانے والا اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے، یہ (فعلیل) کے وزن پر آیا ہے جو وقوع فعل کی دلیل ہے، "الرحمن" خدا تعالیٰ کی صفت ذات ہے، اسی طرح "الرحیم" اس کے فعل پر دلالت کرتا ہے جس پر رحمت کرنے ہو اس تک رحمت کا پہنچانا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جس رحمت کے ساتھ خود کو متصف کیا ہے وہ حقیقی رحمت ہے جو اس کے شایان شان ہے، مخلوق کی رحمت کے ساتھ اس کی کوئی مماثلت اور مشابہت نہیں ہے، اور اس کو انعام یا انعام کے ارادے سے تعبیر کرنا درست نہیں ہے۔

مالک ہے روز جزا کا

مَلِكِ يَوْمِ الدِّينِ ﴿١٩﴾

«مَلِكِ يَوْمِ الدِّينِ» یعنی: اللہ تعالیٰ پاک اور منزہ ہے، روز قیامت کا مالک اور حاکم ہے، جس طرح چاہے ہر چیز کی گرفت کر لیتا ہے، قیامت کے دن اللہ اپنی مکمل بادشاہت اور حکمرانی اپنے بندوں پر ظاہر کرے گا، جب کوئی کسی دوسرے کے لیے کچھ نہیں کر سکے گا، اللہ تعالیٰ روز جزاء اور تمام مظاہر کا مالک ہے۔

جملہ "یوم الدین" کی تفسیر و بیان میں ان آیات میں ہے: "ثُمَّ مَا أَدْرِيكَ مَا يَوْمُ الدِّينِ (۱۸) يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا وَالْأَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِلَّهِ" (۱۹) [الإنفطار: 18-19]۔ اس دن کے عظمت کو کیسے جانو گے، اس دن کوئی کسی کے لیے کچھ نہیں کر سکے گا، اور سارا اختیار اللہ کے لیے ہوگا" (الإنفطار: 18-19)۔

اس آیت میں "ملک" کا اضافہ "دین" کے ساتھ کیا گیا ہے، اور "یوم الدین" سے مراد قیامت کا دن ہے، وہ دن جب انسانوں کو ان کے اچھے اور برے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا، جیسا کہ ہم نے بیان کیا، اس دن اللہ تعالیٰ کی بادشاہی، عدل اور حکمت کی حقیقت نمایاں ہو جائے گی، اور مخلوقات کی جھوٹی بادشاہتیں بھی لوگوں کے سامنے ظاہر ہو جائیں گی، اس دن تمام بادشاہ اور رعایا برابر ہوں گے، اور سب اللہ کی عظمت کے سامنے سر تسلیم خم کریں گے، ہر شخص اللہ کے انصاف کا منتظر ہوگا، اس کے ثواب کی امید رکھے گا اور اس کے عذاب سے خوفزدہ ہوگا، لہذا، ضروری ہے کہ ہم اس دن کو ہمیشہ یاد رکھیں اور اس کی تیاری کریں۔

جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے: "عقل مند وہ ہے جو اپنے نفس کا محاسبہ کرے اور موت کے بعد کے لیے تیاری کرے"۔

"مَلِكِ يَوْمِ الدِّينِ" اور "مَلِكِ يَوْمِ الدِّينِ"، دونوں قراءتیں درست ہیں اور قراء سبعہ کے ہاں متواتر ہیں، اس آیت میں اللہ کے قیامت کے دن کا مالک ہونے کا ذکر، اللہ کے دنیا کے مالک ہونے کی نفی نہیں کرتا، درحقیقت، اللہ دنیا اور آخرت دونوں کا مالک ہے، جیسا کہ

اس سے پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ اللہ تمام جہانوں کا خالق اور مالک ہے، اور یہ ملکیت دنیا اور آخرت دونوں میں عام ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "یوم الدین" وہ دن ہے جب مخلوق کا حساب لیا جائے گا، جو نیک اعمال کرے گا، اسے نیکی کا بدلہ دیا جائے گا، اور جو برے اعمال کرے گا، اسے سزا دی جائے گی، سوائے ان کے جنہیں اللہ کی بخشش نصیب ہو۔"

مشہور مفسر ابو القاسم ضحاک بن مزاحم (متوفی 105 ہ-ق) فرماتے ہیں کہ: قیامت کے دن کوئی بھی دنیا کی طرح بادشاہت اور حکمرانی کی طاقت نہیں رکھے گا، اور اس دن تمام ملکیت، حاکمیت اور بادشاہت صرف اللہ کی ہوگی۔

"یوم الدین" سوال و جواب کا وہ دن جب انسانوں سے ان کے اعمال کا حساب لیا جائے گا، اور یہ قیامت کا دن ہے، جس میں نیک اعمال کرنے والوں کو اچھا بدلہ اور برے اعمال کرنے والوں کو بہت دردناک سزا دی جائے گی، سوائے ان کے جنہیں اللہ اپنی رحمت سے معاف کر دے، لہذا، اے ہمارے پروردگار، جو معاف کرنے والا ہے اور معافی کو پسند کرتا ہے، ہماری مغفرت فرما اور ہمیں اپنی رحمت سے نواز، (یہ بات نسیب الرفاعی نے مختصر تفسیر ابن کثیر میں بیان کی ہے)۔

مفسر قتادہ فرماتے ہیں: "یوم الدین" وہ دن ہے جب اللہ اپنے بندوں کو ان کے اعمال کی جزا یا سزا دے گا۔"

مفتی محمد شفیع عثمانی اپنی تفسیر "معارف القرآن" میں فرماتے ہیں: انسان کی زندگی تین حالتوں پر مشتمل ہے: ماضی، حال، اور مستقبل، پہلی دو آیات، "الحمد لله رب العالمین الرحمن الرحیم"، ہمیں یہ سبق دیتی ہیں کہ انسان ماضی اور حال دونوں میں اللہ کا محتاج ہے، چونکہ ماضی میں اللہ نے انسان کو پیدا کیا، اسے خوبصورت جسم، عقل، اور شعور دیا۔ حال میں وہی اللہ اس کی پرورش کر رہا ہے۔ "مالک یوم الدین" ہمیں یہ بتاتا ہے کہ مستقبل میں، قیامت کے دن، بھی انسان اللہ ہی کا محتاج ہوگا۔ اس دن کوئی مددگار یا سہارا اللہ کے سوا نہیں ہوگا۔

جب ان تین آیات سے واضح ہوتا ہے کہ انسان اپنی زندگی کے ہر دور میں اللہ کا محتاج ہے، تو اس حقیقت کی روشنی میں، عقل اور فطرت یہی تقاضا کرتی ہے کہ عبادت صرف اللہ ہی کے لیے کی جائے، عبادت کا مطلب ہے عاجزی اور انتہائی تعظیم کا اظہار، اور یہ صرف اللہ کی ذات کے لیے مناسب ہے۔

اسی لیے عقلمند انسان کو بھی یہ فریاد کرنا چاہیے کہ: "اے اللہ! میں صرف تیری بندگی کرتا ہوں! اور "ایک نستعین" (صرف تجھ سے ہی مدد مانگتا ہوں) یہی فطری تقاضا بیان ہوا ہے؛ کیونکہ انسان کی تمام ضروریات کو پورا کرنے والا صرف اللہ ہے، اس لیے مدد بھی صرف اسی سے مانگنی چاہیے۔ (روح البیان)

مالک :

«مالک» اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ایک ہے۔

شیخ ابن قیم الجوزیہ کی کتاب "مدارج السالکین" میں لکھا ہے کہ: سورہ فاتحہ میں اللہ

کے پانچ نام ذکر کیے گئے ہیں:

اول: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ (اللہ)

دوم: رَبِّ يَا رَبِّ الْعَالَمِينَ (رب)

سوم: الرَّحْمٰن

چهارم: الرَّحِيْم

پنجم: مُلْكِ يَوْمِ الدِّينِ.

اور غور و فکر کے بعد ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ تمام اسمائے الہی معنی کے لحاظ سے ان (5) پانچ ناموں سے ماخوذ ہیں، کیونکہ جیسا کہ ہم نے کہا، خدا کے نام یا تو عظمت اور جلال کے معنی پر یا حسن و جمال کے معنی پر دلالت کرتے ہیں، یا یہ کہ وہ خدا کی ربوبیت یا الوہیت کا معنی دیتے ہیں۔

خدا تعالیٰ کی ربوبیت اس سورہ میں دو آیتوں میں "رَبِّ الْعَالَمِينَ" اور "مُلْكِ يَوْمِ الدِّينِ" میں بیان کی گئی ہے، "مُلْكِ يَوْمِ الدِّينِ" میں اللہ کی ہیبت اور خشیت کو بھی بیان کیا گیا ہے، کیونکہ یہ آیت خدا کی بڑائی اور اس سے ڈرنے کا سبب بنتی ہے۔ اسی طرح صفت جمال "الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" میں اور صفت الوہیت "اللہ" کے نام میں، جو اللہ کا سب سے بڑا اور جامع نام ہے۔

ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں

إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ۝

«اے اللہ! ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور (تمام معاملات میں) صرف تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں»۔

یہ آیت اللہ کی وحدانیت، عبودیت، اور توکل کی بہترین عکاسی کرتی ہے، عبادت اور مدد دونوں میں اللہ کے سوا کسی کو شریک کرنا جائز نہیں، یہ آیت ہمیں اپنے تمام معاملات میں اللہ پر مکمل بھروسہ کرنے اور صرف اسی سے مانگنے کا سبق دیتی ہے۔

تفسیر:

انسانی عقل کا تقاضا تو یہ ہے کہ اپنے عظیم پروردگار کی بندگی قبول کرے، اس لیے کہ ہم انسان درجہ کمال کے متلاشی ہیں اور ترقی و پرورش کے محتاج ہیں، اور اللہ وہ ذات ہے جو تمام کمالات اور کائنات کا رب ہے، تو وہی درجہ کمال عطا کر سکتا ہے، اگر ہم محبت اور مہربانی کے محتاج ہیں، تو اللہ رحمن اور رحیم ہے (مہربان محبت دینے والا)، اگر ہم مستقبل کے بارے میں فکرمند ہیں، تو وہی قیامت کے دن کا مالک ہے۔ پھر ہم دوسروں کی طرف کیوں جائیں؟ عقل سلیم یہی کہتی ہے کہ ہم صرف اللہ کی عبادت کریں اور اسی سے مدد طلب کریں، نہ کہ اپنی خواہشات کے غلام بنیں اور نہ ہی دوسروں کے مال اور طاقت کے۔

مفسرین فرماتے ہیں کہ: حق تعالیٰ کے سامنے بندوں کا اپنی کوتاہی کا اعتراف کرنے کی بنا پر "إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ" کو جمع کے صیغے میں ذکر کیا گیا، تاکہ وہ اللہ جو بادشاہوں کا بادشاہ ہے، اپنی عظمت اور بندے کی عاجزی کو واضح کرے، جس وقت

بندہ اللہ کے حضور کھڑا ہوتا ہے تو کہتا ہے: میں خود کو اکیلا کھڑے ہونے کے لائق نہیں سمجھتا، بلکہ وہ تمام ایمان والوں کے ساتھ مل کر کہتا ہے: "اے اللہ! ہماری دعائیں قبول فرما! ہم سب تیری عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد طلب کرتے ہیں۔"

«إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ»

ہماری تمام عبادتیں اور نیک اعمال، اے اللہ، صرف تیرے لیے ہیں، ضمیر «ایاک» فعل سے پہلے لانے کا مطلب یہ ہے کہ عبادت اور مدد صرف اللہ کے لیے خاص ہیں، اے خدا! ہماری عبادت تیرے لیے خاص ہیں، اور تیرا حق ہم پر یہ ہے کہ ہم صرف تیری عبادت کریں، تیرے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں، لیکن ایسا کرنا تیری مدد اور توفیق کے بغیر ممکن نہیں ہے، اس لیے خالص تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں، عبادت سے مراد وہ تمام اعمال و اقوال ہیں جو اللہ کو پسند ہیں، اور استعانت (مدد مانگنا) سے مراد رب پر بھروسہ کے ساتھ تمام خوبیوں کو حاصل کرنا اور برائیوں کو رفع کرنا۔ (تفسیر مسیر) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ "إِيَّاكَ نَعْبُدُ" کی تفسیر میں فرماتے ہیں: اے پروردگار! ہم صرف اکیلے تجھے ہی پکارتے ہیں، اور صرف تجھ ہی سے ڈرتے ہیں اور اپنے تمام معاملات میں تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔"

مفسر قتادہ فرماتے ہیں: "اللہ نے اس آیت کے ذریعے بندوں کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ اپنی عبادت کو صرف اسی کے لیے خالص رکھیں اور تمام امور میں اسی سے مدد طلب کریں۔"

مصنف تفہیم القرآن لکھتے ہیں: "إِيَّاكَ نَعْبُدُ" (ہم صرف تیری عبادت کرتے ہیں) عربی زبان میں لفظ "عبادت" تین معنی رکھتا ہے: (1) پرستش اور دعا، (2) اطاعت اور فرمانبرداری، (3) غلامی اور بندگی، یہاں تینوں معنی مراد ہیں، ہم صرف تیرے پرستار، تیرے فرمانبردار، اور تیرے غلام ہیں، یہ رشتہ ہمارا صرف تیرے ساتھ ہے، اور ان معنوں میں ہم کسی کو اپنا معبود نہیں مانتے۔

«وإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ» (اور تجھ ہی سے مدد طلب کرتے ہیں) یعنی ہمارا تعلق تیرے ساتھ صرف عبادت کا نہیں ہے، بلکہ ہم اپنے تمام معاملات میں صرف تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں، کیونکہ ہمیں یقین ہے کہ تو ہی تمام جہانوں کا رب ہے اور تمام قوت اور طاقت تیرے پاس ہی ہے اور تو ہی تمام نعمتوں کا مالک ہے، اس لیے ہم اپنی حاجتوں اور ضرورتوں کے لیے صرف تیری طرف رجوع کرتے ہیں۔

شیخ جمیل زینو سورہ فاتحہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں: "إِيَّاكَ" ایسا مفعول ہے جو کہ فعل پر مقدم ہے، لغت عرب میں جب بھی مفعول فعل پر مقدم آجائے تو حصر کا فائدہ دیتا ہے، یعنی: فعل کے معنی کو مفعول میں محدود کر دیتا ہے، اور یہ بتاتا ہے کہ بات کرنے والا اور دعا کرنے والا واضح کر دیتا ہے کہ کس کے سامنے کھڑا ہے۔

«إِيَّاكَ نَعْبُدُ» یعنی ہم صرف تیری عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی پر بھروسہ کرتے ہیں، یہ بندگی اور اطاعت کی انتہا ہے، بندگی اصطلاح عام میں بمعنی: فرمانبرداری، اطاعت گزاری ہوتا ہے، عربی میں کہتے ہیں (طریق معبد: قابل تسخیر راستہ) یا (بعیر معبد: گھریلو

اور سدھابوا اونٹ) شرعی اعتبار سے بندگی کا مطلب یہ ہے کہ محبت، اطاعت، اور خوف کے تمام جذبات اللہ کے لیے مختص ہوں، یعنی انسان صرف اللہ سے ڈرے، اس کی اطاعت کرے، اور اللہ اور اس کے دوستوں سے محبت رکھے۔

بعض علمائے سلف فرماتے ہیں کہ: "الفاتحة سُر القرآن وسر ما هذه الكلمة: إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ" سورہ فاتحہ قرآن کا راز ہے اور سورہ ۱ فاتحہ کا راز یہ الفاظ ہیں: "إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ"۔

الف: (إِيَّاكَ نَعْبُدُ) یہ اس بات کا اظہار ہے کہ بندہ اللہ کی عبادت کو ہر قسم کے شرک سے پاک رکھے گا اور خالصتاً اللہ کی بندگی کرے گا۔

ب: (وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ) یہ بندے کا خود کو پابند کرنا ہے کہ وہ اللہ پر مکمل بھروسہ کرے گا، غیر اللہ پر اپنے امور نہ چھوڑے گا اور اس پر اعتماد نہ کرے گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "إِيَّاكَ نَعْبُدُ" کا مطلب یہ ہے کہ ہم اللہ کو ہی اپنا معبود مانتے ہیں، اسی سے ڈرتے ہیں، اسی سے مدد مانگتے ہیں، اور اپنی امیدیں اسی سے وابستہ رکھتے ہیں۔

"إِيَّاكَ نَسْتَعِينُ" کا مطلب یہ ہے کہ ہم اپنی عبادت میں بھی صرف اللہ سے مدد مانگتے ہیں اور ہر کام میں اس کے فرمانبردار رہتے ہیں۔

اللہ نے "إِيَّاكَ نَعْبُدُ" کو "إِيَّاكَ نَسْتَعِينُ" سے پہلے ذکر کیا؛ کیونکہ بندگی اصل مقصد ہے، اور مدد طلب کرنا اس بندگی کو مکمل کرنے کا ذریعہ ہے۔ (تفسیر ابن کثیر - تفسیر سورہ فاتحہ جلد اول)

ابن قیم الجوزیہ اپنی کتاب مدارج السالکین میں فرماتے ہیں: "إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ" میں تخلیق، ادیان، آسمانی کتابوں، اور دنیا و آخرت کے تمام اجر و ثواب کا خلاصہ موجود ہے، بندگی اور توحید کی بنیاد بھی اسی آیت پر ہے، حتیٰ کہ کہا گیا ہے کہ اللہ نے 104 آسمانی کتابیں نازل کیں، جن کا خلاصہ تورات اور انجیل میں جمع کیا، پھر ان دونوں کا خلاصہ قرآن میں، اور قرآن کا خلاصہ سورہ فاتحہ میں، اور سورہ فاتحہ کا خلاصہ اس آیت میں ہے "إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ"۔

معزز قاری! "نَعْبُدُ، نَسْتَعِينُ" ایک خاص خوبصورتی کے ساتھ ہمیں یہ سکھاتی ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ کی بندگی کی جائے، پھر پروردگار کی ذات اقدس سے اپنی حاجت مانگی جائے، واضح ہے کہ بندگی صرف اور صرف اللہ کے لیے ہی جائز ہے دوسروں کے لیے نہیں۔

اٰهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ (۶) ہمیں سیدھے راستے پر چلا

تفسیر :

"اٰهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ" اے اللہ! اپنے دین کے واضح اور درست راستے کی طرف ہماری

رہنمائی فرما، وہ راستہ جو تیرے آخری نبی جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش کیا ہے، اور ہمیں ان لوگوں میں شامل فرما جو تیرے احکام کی پیروی کرتے ہیں اور تیری رضا حاصل کرتے ہیں۔"

ہدایت کے معنی ہیں: رہنمائی، ارشاد، اور توفیق دینا، جو شخص پہلے سے ہدایت یافتہ ہے، اس کا ہدایت مانگنا اس بات کی درخواست ہے کہ اللہ اس کی رہنمائی اور بڑھائے، جیسا کہ اللہ فرماتا ہے: **وَالَّذِينَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَآتَاهُمْ تَقْوَاهُمْ** (محمد: 17) "اور جو لوگ ہدایت یافتہ ہیں، اللہ ان کی ہدایت میں اضافہ کرتا ہے اور ان کی پرہیزگاری بڑھاتا ہے۔"

«الْصِّرَاطُ الْمُسْتَقِيمَ»

صراط مستقیم لغت میں ایسے راستے کو کہتے ہیں جو صاف اور سیدھا ہو، جس میں کسی قسم کی کجی یا پیچیدگی نہ ہو، یہاں صراط مستقیم سے مراد اسلام کا سیدھا راستہ ہے۔

مسند احمد (17634) اور سنن ترمذی (۲۸۵۹) نواس بن سمعانؓ سے روایت کرتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ صراط مستقیم کی مثال دیتے ہوئے فرماتے ہیں: "صراط کے دونوں طرف دیواریں ہیں جن میں دروازے ہیں، اور ان دروازوں پر پردے لٹک رہے ہیں، ایک داعی صراط کے سرے سے لوگوں کو کہتا ہے: اے لوگو! اس راستے پر چلو اور مت بھٹکو، جب کوئی شخص ان دروازوں میں سے کسی ایک کو کھولنا چاہتا ہے تو اس سے کہا جاتا ہے: خبردار! اسے مت کھولو، ورنہ تم اس میں داخل ہو جاؤ گے" اس لیے کہ صراط مستقیم اسلام کا سیدھا راستہ ہے، دیواریں اللہ کے مقرر کردہ حدود ہیں، دروازے ممنوعات ہیں، راستے میں آواز دینے والا داعی کتاب اللہ اور صراط پر جو داعی ہے وہ خدا کی طرف سے ہر مسلمان دل کا واعظ ہے۔ (اس حدیث کو امام البانی نے اپنی صحیح الجامع (3887) میں صحیح قرار دیا ہے)۔

صراط مستقیم اسلام کا وہ چمکتا راستہ ہے جس میں کوئی کجی یا پیچیدگی نہیں ہے، اور وہ راستہ ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کرامؑ کو مبعوث فرمایا، جن کا اختتام کو آپ ﷺ کی رسالت کو قرار دیا، کہا گیا ہے کہ یہ وہ راستہ ہے جو انسان کو دنیا اور آخرت کی کامیابی کی طرف لے جاتا ہے، اس میں عقائد، اعمال، اخلاق، اور آداب شامل ہیں۔

«إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ» اس آیت میں "ہدایت" کے معنی میں دوام موجود ہے، یعنی یہ دعا کی جا رہی ہے کہ اللہ ہمیں انبیاء، اولیاء اور صالحین کے راستے پر اقوال و احوال و اخلاق میں قائم رکھے، جو اعتدال اور میانہ روی کا راستہ ہے، جس میں افراط و تفریط کی گنجائش نہیں، یا دین اسلام اور سنت نبوی کی پیروی کے ساتھ زبان، عمل، اور دل میں استقامت پیدا ہو، کیونکہ یہی تینوں چیزیں ایک مخلص شخص کی استقامت کو مکمل کرتی ہیں۔

امام طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: امت مسلمہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ "الصِّرَاطُ الْمُسْتَقِيمَ" ایسا سیدھا اور واضح راستہ جس میں کسی قسم کی کجی یا انحراف نہیں، یہ مسئلہ تمام عربوں کے سامنے ثابت ہو چکا ہے۔

امام طبری نے کہا: اس آیت کے بارے میں جس قول کو میں راجح سمجھتا ہوں وہ یہ ہے

کہ: "یا اللہ! ہمیں اس راستے پر قائم اور ثابت قدم رکھ جو تیرا پسندیدہ ہے، جس پر عمل کرنے کا تو نے اپنے بندوں کو حکم دیا ہے، ہمیں ان نعمتوں سے نواز دے جو تو نے اپنے نیک بندوں پر کی ہیں اور اپنی رحمت ہم سے نہ روک، یہ وہی "الصِّرَاطُ الْمُسْتَقِيمَ" سیدھا راستہ ہے، اس لیے ہر وہ شخص جسے خدا تابعدار بناتا ہے، اس تسلیم و ہدایت کی طرف اس کی رہنمائی کرتا ہے جس پر انبیائے کرام، صدیقین، شہداء اور صالحین گامزن رہے "چنانچہ یہ انسان دین اسلام، انبیائے کرام کی تصدیق، قرآن کو تھامے رکھنے والا ہوتا ہے اور ہر اس چیز پر عمل کرنے والا ہوتا ہے جس کا اسے حکم دیا گیا ہے، اور تمام منہیات سے اجتناب کرتا ہے، پیغمبر ﷺ، خلفاء راشدین اور ایمان والوں کے راستے کی پیروی پر خداتعالیٰ اس کو ثابت قدم رکھتا ہے، یہ تمام صورتیں "صراط مستقیم" یعنی سیدھا راستہ ہے۔

اللہ کی تعریف اور حمد کے بعد ہمیں سورہ فاتحہ کے ذریعہ ہی دعا کرنی چاہیے، جیسا کہ حدیث قدسی میں آتا ہے: "فَنَصْفُهَا لِعَبْدِي وَلِعَبْدِي مَأْسَأَلٌ"، "سورہ فاتحہ کا نصف حصہ میرے بندے کے لیے ہے، اور جو کچھ وہ مانگے گا، وہ اسے ملے گا"، یہ دعا کرنے والے کے لیے بہترین طریقہ یہ ہے کہ وہ پہلے اللہ کی حمد و ثنا کرے، پھر اپنے اور اپنے مسلمان بھائیوں کے لیے دعا کرے: "إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ"، "اے اللہ! ہمیں سیدھے راستے پر چلا"، آیت اس بات کی دلیل ہے کہ دعا میں اللہ کے اسماء و صفات اور اعمال صالحہ کے ذریعے توسل جائز ہے۔

دعا کے آداب :

سب سے پہلے اللہ کی حمد و ثنا کی جائے، اور اس کی بڑائی بیان کی جائے، پھر ان اسماء و صفات کا وسیلہ پیش کیا جائے جیسے: "رب العالمین، الرحمن الرحیم، مالک یوم الدین"، پھر ان اعمال صالحہ کے بعد اللہ کو اس کی عبادت اور مدد طلب کرنے میں واحد اور یکتا تسلیم کیا جائے، اور ان سب باتوں کو رب کے دربار میں پیش کرنے کے بعد اپنے لیے اور مسلمان بھائیوں کے لیے ہدایت طلب کرے اور دعا کرنا شروع کرے: "اے اللہ! ہمیں سیدھے راستے یعنی: حقیقی اسلام کی طرف ہدایت عطا فرما، وہ اسلام جو ہر قسم کے عیوب و نقائص اور خرافات سے دور اور پاک ہے، اور یہ وہ راستہ ہے جو اللہ کو پسند ہے اور اس کی رضا کے مطابق ہے، اور نبی کریم ﷺ اس کے پہنچانے والے اور بیان کرنے والے ہیں۔

اگر مسلمان قرآن کریم کی آیات کی طرف نگاہ دوڑائیں تو دیکھیں گے کہ تمام آیات جو اللہ سے مانگنے اور دعا کرنے کے بارے میں ہیں ان سب میں توسل (اللہ کا قرب حاصل کرنا) سے بحث کی گئی ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کی ذات کا وسیلہ، یا اللہ کے اسماء و صفات کا، اور کبھی اپنے اعمال صالحہ، یا زندہ انسان کی دعا، اور دعا کرنے کے آداب بیان کرتا ہے کہ انسان پہلے خدا کی حمد و ثناء بیان کرے، پھر ان مشروع طریقوں میں سے کسی ایک کو وسیلہ بنا کر خداتعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کی کوشش کرے، اور پھر دعا کی صورت میں اپنی ضروریات اور حاجات اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کرے۔

ہدایت:

ہدایت : سے مراد، رہنمائی اور دلیل ہے، ہدایت دو بنیادی اقسام پر مشتمل ہے:

اول: رہنمائی: یہ رہنمائی حق کی طرف ہے، یہ وہ علم نافع ہے جو انسان کو حق کی پہچان عطا کرتا ہے، یہ ہدایت اللہ کی طرف سے، انبیاء، علماء اور داعیان حق کے ذریعے حاصل ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "وَأَمَّا ثَمُودُ فَهَدَيْنَاهُمْ" [فصلت: 17] "اور قوم ثمود کو ہم نے رہنمائی دی"، "وَإِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ" [الشوری: 52] "اور بے شک آپ (ﷺ) سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کرتے ہیں"، "وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ أُمَمَةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا" [السجدة: 24] "اور ہم نے ان میں ایسے امام بنائے جو ہمارے حکم سے لوگوں کی رہنمائی کرتے تھے"۔

دوم: ہدایت سے مراد ہے توفیق و عمل: اس سے مراد حق کو قبول کرنا اور اس پر عمل کرنا ہے، یہ ہدایت صرف اللہ تعالیٰ کی جانب سے عطا کی جاتی ہے کسی اور کے اختیار میں نہیں، جیسا کہ اللہ فرماتا ہے: "مَنْ يَهْدِ اللَّهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِى" [الأعراف: 178] "اللہ جس کو ہدایت دیتا ہے، وہی ہدایت یافتہ ہے"۔ اس لیے ایسی ہدایت کی اللہ نے اپنے غیر سے نفی کی ہے: "إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ" [القصص: 56] "اے نبی! آپ جسے چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے، بلکہ اللہ جسے چاہے ہدایت دیتا ہے"۔

ہدایت ارشاد، ہدایت توفیق پر مقدم ہے، یہاں ہدایت کی دونوں اقسام مطلوب ہیں، نماز میں بندہ اللہ سے ہدایت ارشاد یعنی علم نافع، اور ہدایت توفیق یعنی عمل صالح، دونوں اقسام کی ہدایت مانگتا ہے تاکہ اسے حق کی پہچان بھی ہو اور عمل کی توفیق بھی ملے۔ ہدایت یافتہ شخص جب بھی اللہ سے ہدایت طلب کرتا ہے تو وہ مزید ہدایت اور استقامت کی دعا کرتا ہے، جیسا کہ اللہ فرماتا ہے: "وَالَّذِينَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى" [محمد: 17] "اور جو لوگ ہدایت یافتہ ہیں، اللہ ان کی ہدایت میں اضافہ کرتا ہے"۔

اس لیے ہدایت یافتہ لوگوں کا ایک درجہ اور مرتبہ نہیں ہے، مثال کے طور پر انبیاء اور عام مسلمانوں کے درمیان مراتب اور درجات میں فرق ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ہم پر واجب کر دیا ہے کہ ہم نماز کی ہر رکعت میں ہدایت کی دعا کریں۔

صراط مستقیم دنیا میں:

دنیا میں صراط مستقیم کے بارے میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں:

- 1 - بعض کے نزدیک صراط مستقیم سے مراد قرآن ہے۔
- 2 - بعض کے نزدیک صراط مستقیم اسلام ہے۔
- 3 - بعض کے نزدیک صراط مستقیم سنت نبوی ہے۔
- 4 - بعض کے نزدیک صراط مستقیم پیغمبر ﷺ کی پیروی ہے۔

امام طبری، ابن کثیر، اور شیخ الاسلام رحمہم اللہ جیسے اور مفسرین کے نزدیک یہ تمام تفاسیر ایک ہی حقیقت کی وضاحت کرتی ہیں۔ کیونکہ جو شخص قرآن پر عمل کرتا ہے، وہ اسلام پر بھی عمل کرتا ہے، سنت نبوی کا بھی پابند ہوتا ہے، اور نبی کریم ﷺ کی پیروی بھی کرتا ہے۔

اس لیے بندہ "إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ" پڑھتے وقت اپنے رب سے دعا کرتا ہے کہ وہ اسے دنیا میں ہدایت یافتہ بنائے، اور اسلام، قرآن، اور سنت نبوی کی ہدایت پر قائم رکھے،

یہ دعا نہ صرف عام لوگوں کے لیے بلکہ انبیاء علیہم السلام کے لیے بھی ضروری ہے۔ پس جو بندہ اس آیت کی تلاوت کرے اس کو یہ کہنے کا کوئی حق نہیں کہ: میں تو ہدایت یافتہ ہوں، تو میں کیوں ہدایت طلب کروں؟ اس کو جواب دیا جائے گا: تیری سب سے بڑی ضرورت اپنے رب سے مانگنا ہے کہ وہ مسائل سے بھرے اس ماحول میں صحیح راستے کی طرف تیری رہنمائی کرے، اور تجھے سکھائے اور سمجھائے، پھر تجھے دنیا میں اس پر عمل کرنے کی توفیق نصیب کرے، اور آخرت میں اس کا بدلہ صراط سے گزرنے کی اجازت کے طور پر دے، پس ہمیں ہر مسئلہ میں صراط کی رہنمائی کی ضرورت ہے، اس نکتہ سے یہ مسئلہ واضح ہو جاتا ہے کہ پختہ ایمان والوں کے علاوہ کوئی پل صراط کو عبور نہیں کر سکتا، اور لوگوں کا جتنا مضبوط یقین اور دنیا میں صراط کے بارے میں جتنا جتنا علم ہے اتنی ہی ان کی رفتار تیز ہوگی، لہذا دنیا میں صراط مستقیم پر عمل اور علم کی مقدار اور اس میں استقامت اور اس پر عمل پیرا ہونا آخرت میں ہر ایک کی حالت کا تعین کرے گا۔ (منقول از: تفسیر کوثر، تفسیر سورہ فاتحہ قریب اللہ مطیع)

ان لوگوں کے رستے جن پر تو اپنا فضل و کرم کرتا رہا، نہ اُن کے جن پر غصے ہوتا رہا، اور نہ گمراہوں کے	صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ (۱)
---	--

تفسیر

یہ آیت مبارکہ ان لوگوں کے راستے کو سیدھا راستہ قرار دیتی ہے جو اللہ کے انعام یافتہ ہیں، یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین، اللہ تعالیٰ سے اس راستے کی طلب اور ان عظیم ہستیوں کے راستے پر چلنے کی خواہش ہمیں گمراہی اور انحراف سے بچاتی ہے۔

صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ: اے اللہ! ہمیں اُن لوگوں کے راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرما جن پر تیرا فضل اور انعام ہوا، یہ راستہ انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کا ہے، جو بہترین اور معزز ترین ہستیاں ہیں۔

یادر ہے کہ: رب تعالیٰ کی طرف سے جو کچھ انسان کو پہنچتا ہے وہ نعمت ہے، قہر اور غضب کو ہم خود دعوت دیتے ہیں۔

آیت مبارکہ میں اللہ نے نعمت کو اپنی ذات کی طرف منسوب کیا ہے، جیسا کہ فرمایا: "أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ" (جن پر تو نے انعام کیا)، جبکہ غضب و گمراہی کو اپنی طرف منسوب

نہیں کیا، یہ نہیں کہا کہ: (غضببت علیہم) یا (اظللہم)، تاکہ بندوں کو ادب اور احترام کا سبق ملے اور ادب کا لحاظ کرتے ہوئے شر کو اللہ کی طرف منسوب نہ کریں، حالانکہ ہر چیز اللہ ہی کے اختیار میں ہے، (تمام خیر تیرے ہاتھ میں اور شر کی نسبت تیری طرف نہیں کی جائے گی)۔

"غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ": (نہ اُن کے راستے پر جن پر تیرا غضب ہوا)۔

وہ لوگ جنہوں نے حق کو پہچانا لیکن اس پر عمل نہ کیا، یعنی اے اللہ! ہمیں اپنے ان دشمنوں میں سے مت بنا جو تیرے بتائے ہوئے سیدھے راستے سے منحرف ہوئے،

وہ لوگ جنہوں نے حق کو پہچاننے کے باوجود غلط راستے کا انتخاب کیا اور تیرے عذاب کے مستحق ہوئے۔

اور نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ، یہاں مغضوب علیہم میں یہود کی طرف اشارہ ہے، وہ لوگ جنہوں نے حق کو جاننے کے باوجود اس کا انکار کیا اور اللہ کے غضب کے مستحق ہوئے، اکثر علماء کی بھی یہی رائے ہے۔

«وَلَا الضَّالِّينَ»:

"ضالین" سرگرداں، کھوئے ہوئے، وہ جو کہ سیدھا راستہ کھوچکے ہیں (فرقان)۔ یعنی (اور نہ گمراہوں کے راستے) نبی کریم ﷺ کے فرمان اور جمہور علماء کی رائے کے مطابق یہاں ضالین سے نصاریٰ مراد ہیں، یہود کو علم کے باوجود انکار کرنے پر غضب کا مستحق قرار دیا گیا، جبکہ نصاریٰ کو جہالت کے باعث گمراہی کا شکار قرار دیا گیا، جنہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مقام میں غلو کیا اور راہ حق سے دور ہو گئے۔

"آمین" (اگرچہ یہ لفظ قرآن میں نہیں ہے؛ مگر ہر نماز میں سورہ فاتحہ کے بعد آپ سے آمین کہنا ثابت ہے؛ چنانچہ ہم نے اس کی وضاحت اور تشریح کرنا مناسب سمجھا۔ «آمین» الف مد یا «آمین» بروزن فعیل یہ اسم فعل اور ایک دعائیہ لفظ ہے جس کا مطلب ہے «اے اللہ! ہماری دعا قبول فرما» بعض اہل لغت کے نزدیک اس طرح ترجمہ ہوگا «ایسا ہونا چاہیے» جب عربی زبان میں «آمین» کہے تو اس کا مصدر «تأمین» ہے، امن یا امن تأمیناً، تشدید کے ساتھ پڑھا جائے، «آمین» یعنی اے اللہ! ہمارے دعا قبول فرما، اور ہمیں سیدھے راستے پر ثابت قدم رکھ۔

1 - جلیل القدر مفسر ابن عباس رضی اللہ عنہ «آمین» کے معنی میں فرماتے ہیں: "كذلك فليكن" ترجمہ: ایسا ہی ہو۔

2 - مقاتل فرماتے ہیں "آمین": "آمین قُوَّةٌ للدُّعَاءِ واستنزال للرحمة" "آمین دعا کو تقویت دینے اور اللہ کی رحمت کے نزول کی درخواست ہے۔

3 - مجاہد فرماتے ہیں: "آمین اسم من أسماء الله تعالى معناه آمين" ترجمہ: "آمین" اللہ کے اسماء میں سے ایک اسم ہے جس کا مطلب ہے "اے آمین!" حرف ندا کو مدّ بنایا اور مخفف۔

4 - زجاج کہتے ہیں: "آمین معناه اللهم استجب"، "آمین" کا مطلب ہے "اے اللہ! ہماری دعا قبول فرما۔"

اسی طرح حدیث میں ہے: "ان الله ملكا في الهواء يقول آمين آمين، فمن وافق تأمينه تأمين الملائكة غفر له" اللہ تعالیٰ کا ایک فرشتہ ہوا میں "آمین آمین" کہتا ہے، اگر کسی کی "آمین" فرشتے کی آمین سے ہم آہنگ ہو جائے تو اس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ (تفسیر سور آبادی ابوبکر عتیق نیشاپوری ۵ ہجری)۔

حضرت عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ سے صحیح بخاری شریف میں روایت ہے کہ:
"الأمین دعا" آمین ایک دعا ہے۔ (بخاری جلد 1، صفحہ 107)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ما حسدتکم الیہود علی شیء ما حسدتکم علی السلام والتأمین"، "یہود تم سے کسی بات پر اتنا حسد نہیں کرتے جتنا سلام اور آمین پر کرتے ہیں۔"

ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب میں سورہ فاتحہ کی قراءت سے فارغ ہوتا تو جبریل علیہ السلام مجھے آمین کہنے کی تلقین فرماتے ، اور فرمایا کہ: یہ قرآن کی قراءت کے بعد ایک مہر کی طرح ہے۔ آمین چونکہ قرآن کا حصہ نہیں، اس لیے اس میں نہیں لکھا گیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ : "آمین" ایک دعا ہے ، قرآن کریم کی آیت اور لفظ نہیں ہے، البتہ سورہ فاتحہ قراءت کے بعد آمین کہنا سنت ہے، حدیث شریف اس کی دلیل ہے: "جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو، کیونکہ جس کی آمین فرشتوں کے آمین سے موافق ہو جائے، اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔"

1 - امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کی رائے یہ ہے کہ: بلند آواز میں آمین کہنے سے آہستہ کہنا بہتر ہے۔

2 - امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبل کے پیروکار کہتے ہیں کہ : آمین کو نماز جہری میں بلند آواز سے اور نماز سری میں آہستہ کہنا چاہیے، اور مقتدی کو امام کے ساتھ آمین کہنی چاہیے۔

نماز میں سورہ فاتحہ کی قراءت کے بارے میں علماء کی دو رائے ہیں: امام ابوحنیفہؒ کی رائے یہ ہے کہ نماز میں قرآن کی قراءت تین چھوٹی آیت یا ایک طویل آیت کی مقدار فرض ہے، چاہے وہ سورہ فاتحہ ہو یا کوئی اور سورت۔ اس بنا پر سورہ فاتحہ پڑھنا واجب ہے، فرض نہیں۔

دوسری رائے جمہور علماء (مالکی، شافعی، حنبلی) کی ہے کہ سورہ فاتحہ کی قراءت نماز میں فرض ہے۔

آمین کی فضیلت

آمین گناہوں کی معافی اور اللہ کی رحمت کے نزول کا سبب ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: "جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو، کیونکہ جس کی آمین فرشتوں کی آمین سے موافق ہو جائے، اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔" (اللؤلؤ والمرجان 1/ 83)۔

اسی طرح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے دوسری روایت ہے کہ جب امام «عَیْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَیْہُمْ وَلَا الضَّالِّینَ» کہے تو تم آمین کہو، کیونکہ جس کی آمین فرشتوں کے آمین کے ساتھ موافق ہو جائے، اس کے تمام پچھلے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔ (صحیح مسلم کتاب صلاة)

سورہ فاتحہ کی فضیلت

سورہ فاتحہ اپنی جامعیت اور اختصار کے باوجود باقی تمام سورتوں سے ممتاز ہے۔ اس

میں توحید کی تینوں اقسام موجود ہیں:

الف: توحید ربوبیت: «رَبِّ الْعَالَمِينَ»۔

ب: توحید الوہیت: لفظ (اللہ) جو کہ اس کے لیے خاص ہے، اور آیت «إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ» (توحید عبادت و توحید استعانت) خدا تعالیٰ عبادت میں اور مدد مانگنے، دعاؤں اور پکار کا جواب دینے میں اکیلا اور بے نیاز ہے۔

ج: توحید اسماء و صفات: اللہ کی تمام صفاتِ کمال اس کی ذات کے لیے خاص ہیں، اور یہ سورہ فاتحہ نبوت کی تصدیق بھی کرتی ہے: «إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ»۔ یقیناً صحیح راستہ تلاش کرنا اور سیدھی راہ پر چلنا بغیر رسالت اور پیغمبر کے ناممکن ہے۔ اس بابرکت سورت کے اختتام پر یہ بتانا چاہتے ہیں کہ یہ وہ سورت ہے جو ہر نماز میں بار بار پڑھی جاتی ہے، اور اس کے بغیر کوئی نماز صحیح نہیں، یہ مختصر ہونے کے باوجود اسلامی تعلیمات کے بنیادی اصول اور عقائد کو جامع انداز میں بیان کرتی ہے۔

وَصَلَّى اللّٰهُ وَسَلَّم عَلٰی نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِينَ

تفسیر احمد سورہ فاتحہ کا اردو ترجمہ پایہ تکمیل کو پہنچا

30-11-2024 م - شہر کراچی، پاکستان

Get more e-books from www.ketabton.com
Ketabton.com: The Digital Library